

شاہ ولی اللہ کے اجداد گرامی

(تحقیقی معلومات)

(صحیح نسب نامہ کی جستجو، اس خاندان کا ہندوستان میں ورود و نزول ،
حضرت شاہ ولی اللہ کی زوجات محترمت ، اولاد کی تفصیل اور ان کی صحیح
تاریخہائے ولادت و وفات)

نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی
تصنیفات میں اپنے فاروقی النسل ہونے کی صراحت فرمائی ہے (۱) ، اور
الامداد فی مآثر الاجداد (۲) میں اپنے والد ماجد سے سیدنا عمر فاروق
رضی اللہ عنہ تک اپنا مفصل شجرہ نسب بھی درج کیا ہے جس میں
حضرت فاروق اعظم تک درج ذیل کل بتیس (۳۲) واسطے بیان فرمائے
ہیں :

،،فقیر ولی اللہ - بن شیخ عبدالرحیم - بن الشہید وجیہ الدین -
بن معظم - بن منصور - بن احمد - بن محمود - بن قوام الدین
عرف قاضی قاذن - بن قاضی قاسم - بن قاضی کبیر عرف
قاضی بدھ - بن عبدالملک - بن قطب الدین - بن کمال الدین -
بن شمس الدین مفتی - بن شیر ملک - بن عطا ملک - بن ابو
الفتح ملک - بن عمر حاکم ملک - بن عادل ملک - بن فاروق -
بن جرجیس - بن احمد - بن محمد شہریار - بن عثمان - بن

ماہان - بن ہمایوں - بن قریش - بن سلیمان بن عفان - بن
عبدالله - بن محمد - بن عبدالله - بن عمر بن الخطاب رضی اللہ
عنه (۳) -

الامداد کے مطبوعہ ایک نسخہ میں عفان کے بعد دو واسطے محمد بن
عبدالله درج نہیں (۴) مگر یہ سہو کتابت ہے ، صحیح اور معروف
روایت وہی ہے جو اوپر گزری ، الامداد کے ایک قلمی نسخہ (۵) اور
ایسے تمام مآخذ میں جو الامداد کی طباعت سے پہلے شائع ہوئے اور
ان کی اساس الامداد کے خطی نسخوں پر ہے (۶) محمد بن عبدالله کا
واسطہ درج ہے -

فروگذاشتیں اور صحیح نسب نامہ کی جستجو

نسب نامہ ولی اللہی میں محمد بن عبدالله کے اضافہ کے باوجود
اس نسب نامہ کے آخری وسائط کی ترتیب محل نظر (۷) ہے ، کیونکہ
حضرت عبدالله بن عمرؓ کے بارہ (۱۲) صاحبزادگان میں سے کسی کا
نام عفان یا محمد نہیں یا ان بارہ صاحبزادوں کے اخلاف میں محمد
نامی کوئی فرد صاحب اولاد نہیں ، کئی نسلوں کے بعد حضرت عبدالله
بن عمر کے ایک پوتے کا نام محمد ہے اور ان کا سلسلہ نسب اس طرح
ہے :

،،محمد بن عبدالعزيز بن عبدالله بن عبدالله بن عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہما» (۸) - محمد بن عبدالعزيز کے تین بیٹے ہوئے ابراہیم -
عبدالله اور عیسیٰ -

اگرچہ کوئی تحریری شہادت میسر نہیں مگر وجدان چاہتا ہے
کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا شجرہ نسب اخلاف حضرت ابن عمر کی
اسی شاخ سے وابستہ و ملحق ہو ، ممکن ہے سہو کتابت یا مرور ایام
سے اس میں عفان بن عبدالله بن محمد اور حضرت ابن عمر کے
درمیان عبدالعزيز کا واسطہ ترک ہو گیا ہو - اگر یہ خیال صحیح ہے تو

حضرت شاہ صاحب کے نسب نامہ کے آخری وسائط اس طرح ہونے چاہئیں -

،، عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ ، یعنی عفان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک چھ واسطے جس میں تین شخصوں کا نام عبداللہ ہے ————— اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ بالاسہو و ترک نسب نامہ ولی اللہی کی واحد فروگذاشت نہیں، خاندان ولی اللہی کے نسب نامہ میں عفان بن عبداللہ کے زیریں سلسلے میں بھی بعض وسائط کے فقدان اور انقطاع کا اندیشہ ہے جو عرب خاندانوں میں باہم مشابہ ناموں کے تکرار و تسلسل اور نسب نامہ کی نقل در نقل کی وجہ سے محل تعجب ہے نہ کہ نسب نامہ کے مشکوک اور غیر معتبر ہونے کی دلیل -

نسب نامہ ولی اللہی کے تحتی سلسلے میں انقطاع کا ایک قرینہ

الامداد فی مآثر الاجداد میں منقول نسب نامہ میں حضرت ابن عمر تک جملہ وسائط کی تعداد علم الانساب کی رو سے گیارہ صدیوں میں مطلوب وسائط کی تعداد سے خاصی کم ہے - مذکورہ نسب نامہ میں حضرت ابن عمر تک صرف تیس واسطے درج ہیں ، اگر اس میں محمد اور عبداللہ بن عمرؓ کے درمیان عبدالعزیز بن عبداللہ کا نام درج ہو تو کل بتیس واسطے ہو جائیں گے، حالانکہ علم الانساب کے معروف اصول کے مطابق ایک صدی میں کم سے کم تین نسلیں ضروری ہیں۔ اگرچہ بعض خاص حالات اور ناقابل تردید دلائل کی موجودگی میں دو صدیوں میں پانچ واسطے بھی قابل قبول ہیں ، اس اصول کی رو سے نسب نامہ ولی اللہی کی صداقت کے لئے حضرت شاہ صاحب سے حضرت ابن عمر تک کم سے کم تینتیس (۳۳) واسطے

ضروری ہیں ، اور چونکہ بعض اوقات ایک صدی میں چار پانچ نسلیں بھی گذر جاتی ہیں اس لئے نسب نامہ ولی اللہی کے معلوم وسائل کی تعداد میں کچھ اور اضافہ ناگزیر ہے ، گویا شاہ صاحب سے حضرت ابن عمر تک پینتیس چھتیس واسطے مطلوب ہیں، نسب نامہ ولی اللہی کی موجودہ ترتیب کی تحقیق و تصدیق یا نامعلوم وسائل کی دریافت و توثیق ہونے تک نسب نامہ کی موجودہ روایت کے متعلق شک و شبہ اور بحث و گفتگو کی خاصی گنجائش ہے، نسب نامہ میں کہاں کس قدر وسائل ترک ہوئے، نسب نامہ کی مکمل اور صحیح ترتیب کیا ہے کچھ معلوم نہیں ۔

اس نسب نامہ کی حیثیت خود شاہ ولی اللہ کی نظر میں نسب نامہ ولی اللہی کے مطالعہ اور تحقیق کے وقت یہ فراموش نہیں ہونا چاہیے کہ الامداد فی مآثر الاجداد میں درج شجرہ نسب حضرت شاہ عبدالرحیم (۱) اور شاہ ولی اللہ کو اپنے بزرگوں سے اسی طرح ملا تھا ، جس کو شاہ صاحب نے جوں کا توں نقل کر دیا ہے ، ضروری نہیں کہ یہ دونوں حضرات نسب نامہ کی اس روایت کو من و عن صحیح اور بہمہ جہت لائق استناد سمجھتے ہوں ، شاہ ولی اللہ کی ایک عبارت سے جھلکتا ہے کہ شاہ صاحب کو نسب نامہ کی موجودہ روایت و ترتیب پر بہت اعتماد نہیں تھا ۔ حضرت شاہ صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں :-

„در نسب نامہائے قدیم کہ در رھتک و در قبیلہ شاہ ارزانی بدایونی کہ نسب وے بسالار حسام الدین ابن شیر ملک میرسد، موجودند چنین یافتہ شد ————— و ملک در زمان قدیم لفظ تعظیم بودہ است مثل خان در زمان ما واللہ اعلم بحقیقۃ الحال“ (۱۰)۔
یعنی حضرت شاہ صاحبان اس نسب نامہ کے صرف ناقل و راوی ہیں

اس کے سہو و انقطاع اور فروگذاشتوں کے لئے ذمہ دار نہیں ۔

(۲)

حضرت شاہ ولی اللہ کے اجداد کے ایران و افغانستان سے روابط اگرچہ اس خاندان کے عرب علاقے سے ترک وطن کے عہد اور ایران و افغانستان میں ان کے زمانہ قیام اور محل اقامت کے متعلق کچھ کہنا آسان نہیں مگر بعض آثار و قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ عفان بن محمد یا ان کے اخلاف دوسری صدی کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے شروع میں اپنا آبائی وطن چھوڑ کر ایران آئے اور وہیں سے بعد میں افغانستان منتقل ہوئے ، ایران میں آذربائیجان اور ماوراء النہر کے علاقے اور افغانستان میں کابل اور اسکے اطراف ان کی جائے قیام تھی ، بعض غیر مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان ماوراء النہر اور نواح کابل میں حکمران اور صاحب اقتدار بھی رہا ہے ۔ جناب عبدالشہاد خاں شروانی کی اطلاع ہے کہ :-
 ,,علامہ (فضل حق خیر آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ) کے مورث اعلیٰ شیر الملک بن شاہ عطاء الملک ایرانی (کذا ؟) کے مورثان ایک قطعہ ملک ایران پر قابض و حکمران تھے “ - (۱۱)
 مولانا سید محبوب علی جعفری (۱۲) کا بھی یہی خیال ہے ، وہ لکھتے ہیں :-

لکن الثابت عندی علی الظن القوی ,,ان اولاد قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ العمری المتوطن بـماوراء النہر کانوا من ملوک اطرافہا وکان ذالک الملک فیہم الی ان مات ابو اسحاق والی البخاری و تملک الاتراک القابضون بالنیابة قبل (کذا) و ذالک سنة سبع و ستین وثلثمائة “ - (۱۳)

اگر یہ اطلاعات درست ہیں تو اس خاندان کے حکومت و اقتدار کا نفاذ حدود افغانستان میں ہونا چاہیئے کیونکہ افغانستان میں تیسری

چوتھی صدی ہجری فاروقی خاندانوں کے عمل دخل اور سیاسی اثر و نفوذ کے قرائن دستیاب ہیں۔ (۱۴) لیکن مولانا محبوب علی جعفری کی اس رائے سے اتفاق مشکل ہے کہ شیر ملک کے جد ماہان بن ہمایوں اور امیر بلخ موسیٰ بن ہامان ہم جد، اور ایک خاندان کے رکن ہیں، مولانا جعفری نے لکھا ہے :-

،،ونقلنا ایضاً اسم رجل من امراء بلخ من اقران ابراهيم و شقيق وهو علی بن موسی بن هامان امیر البلخ ، فيحتمل ان يكون ماہان بن ہمایوں بن قریش مع الاحتمال يكون ماہان تصحیف ہامان ،، (۱۵)

نسب نامہ خاندان ولی اللہی میں ماہان بلاشبہ ایک اہم اور توجہ طلب نام ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ شاہ صاحب کے جد عثمان کے والد اور امیر بلخ کے دادا کا نام ایک جیسا ہے مگر ہم عصر افراد میں ناموں کی اس قدر یکسانیت و ہم رنگی عام ہے اور اس طرح کی یکسانیت کبھی بھی ان کے ہم جد اور ہم خاندان ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، علاوہ ازیں مولانا جعفری کو امیر بلخ کے صحیح نام میں سہو ہوا، صحیح نام علی بن حسین بن ماہان ہے (۱۶)۔ نیز اس تاویل و توجیہ کی اس لئے بھی ضرورت نہیں کہ امیر بلخ ماہان فاروقی ہیں نہ عرب، بلکہ فارسی الاصل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ماہان آذربائیجان اور ماوراء النہر میں ایک خاصا معروف اور چلا ہوا نام تھا، کتب رجال و طبقات میں اس نام و نسبت کے متعدد افراد کا تذکرہ محفوظ ہے (۱۷)، اور ماہان نامی ایک شخص ایک بڑے خاندان کے مورث اعلیٰ بھی تھے، ان کی وجہ سے ان کی تمام اولاد ابن ماہان کہلاتی ہے (۱۸)۔

نسب نامہ ولی اللہی میں ملک، خطاب یافتہ افراد کے عہد کی
تعیین

شاہ صاحب کی اطلاع کے بموجب ان کے خاندان کے پانچ بزرگوں
شیر ملک، بن عطا ملک، بن ابوالفتح ملک، بن عمر حاکم ملک، بن
عادل ملک، کے نام کے ساتھ ملک کا لاحقہ ثبت ہے جو اس خاندان
کے شاندار اور پروقار ماضی اور سرکار دربار میں عزت و مقبولیت
کا مظہر ہے، شاہ صاحب کا ارشاد ہے :
,,وملك در زمان قدیم لفظ تعظیم بودہ است مثل خان در زمان ما،(۱۹)

تاریخ حضرت شاہ صاحب کے اس قول کی تو تصدیق کرتی ہے (۲۰)
مگر وہ اس سلسلہ میں ہماری مدد اور رہنمائی نہیں کرتی کہ اس
خاندان کے افراد کے لئے ملک کا استعمال اس حکومت کی یادگار اور
باقیات کے طور پر ہوتا تھا جس کی طرف مولانا جعفری اور شروانی
نے اشارہ کیا ہے یا یہ لاحقہ ایران و افغانستان کے بادشاہوں سے قربت
و اختصاص کا ثمر ہے۔ ؟

اگرچہ ملک کا خطاب و مرتبہ شاہان تغلق کے زمانے تک
ہندوستان میں بھی ایک لائق فخر اور باوقعت منصب رہا، لیکن
خاندان ولی اللہی کے نسب نامہ میں مذکور جن اشخاص کے ساتھ
اس کا استعمال ہوا ہے ان کا زمانہ قطب الدین ایبک سے پہلے کا
معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے خیال آتا ہے کہ یہ لاحقہ اس خاندان کے زمانہ
قیام افغانستان کی یادگار ہے اور ہندوستان کی حکومتوں اور اہل دربار
و مناصب سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس خیال کی اس سے تائید
ہوتی ہے کہ اس عہد کے نامور مؤرخین منہاج سراج، ضیا الدین برنی،
شمس سراج عقیف اور یحییٰ بن احمد سرہندی نے اپنی کتابوں میں
ملک خطاب یافتہ بے شمار افراد کا مختلف موقعوں پر ذکر کیا ہے اور

اس میں شیر ملک، عطا ملک اور ابوالفتح ملک نامی افراد بھی شامل ہیں، مگر اس طویل فہرست میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کو خانوادہ شیر ملک سے وابستہ و منسلک قرار دیا جا سکے، اگر شیر ملک اور ان کے اجداد دربار دہلی سے وابستہ رہے ہوتے تو ان کا مذکورہ بالا مآخذ میں تذکرہ ہونا چاہئے تھا۔

(۳)

خاندان ولی اللہی کے بزرگوں کا ہندوستان میں ورود اور اس کا زمانہ

خاندان ولی اللہی کے اجداد میں کون بزرگ کس زمانہ میں ہندوستان آئے، اس کے متعلق کوئی واضح اطلاع دستیاب نہیں، حضرت شاہ صاحب کی تحریر سے بھی صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خاندان کے جد امجد شیخ شمس الدین مفتی، رھتک میں خاندان قریش کے پہلے فرد تھے (۲۱)۔ مگر رھتک آنے سے پہلے شیخ شمس الدین یا ان کے آباء و اجداد ہندوستان کے کسی اور علاقہ میں مقیم تھے یا براہ راست اسی وقت افغانستان سے رھتک آئے تھے کچھ معلوم نہیں۔ اگر اس خاندان کے ہندوستان آنے والے اولین بزرگ شیر ملک کے فرزند سالار حسام الدین اور شمس الدین مفتی ہوں تو ان کا عہد محمد غوری اور ایک کا زمانہ ہونا چاہئے، یہ دونوں شخص ہندوستان ساتھ آئے ہونگے، یہاں پہنچکر سالار حسام الدین نے بدایوں میں اقامت اختیار کی اور شمس الدین مفتی نے رھتک میں رخت سفر کھولا۔ حسام الدین حرب و ضرب کے ماہر اور سیف و سنان کے ادا شناس ہونگے اس لئے سالار کے لقب سے نوازے گئے، اور شیخ شمس الدین نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا اور مفتی کے لقب سے معزز گردانے گئے۔

بدایوں میں محلہ سوتھ کی ایک پرانی مسجد جو بدایوں میں اسلامی عہد کے ابتدائی دور کی یادگار ہے، کسے سب سے پہلے بانی حسام الدین نامی کوئی بزرگ تھے، مولف کنز التاریخ نے لکھا ہے :-
 ”اس مسجد میں ایک کتبہ لگا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد بھی ایک معبد قدیم، شروع آمد اہل اسلام کی ہے اور مشہور ہے کہ حضرت نظام الدین محبوب الہی نے اس مسجد میں بیٹھ کر زمانہ طالب علمی میں مطالعہ فرمایا ہے۔ کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول بانی مسجد حسام الدین تھے، بعد ازاں حضرت نظام الدین اولیاء نے تعمیر کرائی۔ اس کے بعد مرتبہ سوم ۱۱۲۰ھ میں محمد منیر نے تعمیر کی۔ کتبہ یہ ہے :

بود از قدیم بانی مسجد حسام دین
 چون کہنہ گشت ریختہ افتاد بر زمین
 زان پس نظام دین بنا کرد از جدید
 تامدتی مدید فرو ماند ہم چنین
 بعد از وفات او چو محمد منیر ساخت
 بیت العتیق خانہ اسلام شد ببین
 تاریخ سال او زخرد خواستم بگفت
 آرند صوفیان سر سجدہ بر زمین “ (۲۲)

اگر اس مسجد کے بانی سالار حسام الدین بن شیر ملک تھے جو عین ممکن اور قرین قیاس ۱۱۲۰ھ ہے، (۲۳) تو اس سے شیر ملک کے بیٹوں کے ہندوستان آنے کا عہد تقریباً متعین ہو جاتا ہے۔ اوپر گذر گیا ہے کہ یہ مسجد بدایوں میں مسلمانوں کے بالکل ابتدائی دور کی یادگار ہے بدایوں، قطب الدین ایبک نے ۵۹۹ھ میں فتح کیا (۲۴)، لیکن مسلمانوں کی ایک قابل ذکر آبادی اور ان کی مذہبی عمارتیں وہاں اس سے پہلے موجود تھیں، (۲۵) اگر یہ مسجد اسی ابتدائی زمانہ

کی یادگار ہے تو ممکن ہے اس کی تاسیس چھٹی صدی ہجری کے نصف آخر میں کسی وقت ہوئی ہو، اور اگر یہ مسجد ایک کی فتوحات کے بعد تعمیر ہوئی تو اس کا زمانہ تعمیر ساتویں صدی ہجری کے ابتدائی سال ہیں، دونوں صورتوں میں اس کے بانی حسام الدین (اگر وہ شیر ملک کے بیٹے ہیں) اور ان کے بھائی شیخ شمس الدین مفتی کا عہد متعین ہو جاتا ہے۔ ایک اور قرینہ سے بھی تقریباً اسی عہد کی تعیین ہوتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے :-

”و اول کسرے کہ از نژاد قریش در ان بلده در آمد و بسبب وے شعائر اسلام ظہور نموده و طغیان کفر منطقی شد، وے (شمس الدین مفتی) بود (۲۶)۔“

اور سب سے پہلے بنو قریش میں سے جو شخص اس شہر (رہتک) میں آئے اور ان کی کوشش سے وہاں شعائر اسلام ظاہر ہوئے اور کفر کی ظلمت کافور ہوئی وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے۔

افسوس کہ اس عہد کی تاریخیں خصوصاً تاریخ رہتک شیخ شمس الدین مفتی کے تذکرہ سے بالکل خاموش ہے، لیکن اگر حضرت شاہ صاحب کی یہ اطلاع درست ہے تو شیخ شمس الدین مفتی شیخ قوام الدین جنجیری (جو صدیقیان مہم و رہتک کے جد امجد ہیں) سے پہلے رہتک تشریف لائے اور قاضی قوام الدین ساتویں صدی میں رہتک نزول فرما ہوئے تھے، (۲۷) گویا جب قاضی قوام الدین رہتک آئے تو اس وقت شیخ شمس الدین مفتی کی کوششوں سے رہتک گہوارہ اسلام بن چکا تھا، اور وہاں خود شمس الدین یا ان کے اخلاف اقامت پذیر تھے۔ شیخ شمس الدین کے تذکرہ میں حضرت شاہ صاحب کے درج ذیل الفاظ :

”بعد انقضائے ایام حیوة این بزرگ گزیر ترین اولادش کمال الدین مفتی بر طریقہ وے مصدر این امور گشت و بعد از وے

پسروے قطب الدین، و بعد ازوے پسر وے عبدالملک ہمیں وضع
ایام حیوة بآخر رسانیدند، و بعد از زمان ایس عزیزان نصب
قضات دریں بلاد دستور شد « - (۲۸)

بھی اسی خیال کی تائید کرتے ہیں کہ شیخ شمس الدین کا عہد
چھٹی صدی ہجری کا ہے، اس وقت تک اس نواح میں اسلامی
حکومت کی عملداری پوری طرح قائم و مستحکم نہیں ہوئی تھی،
کچھ وقت گزرنے کے بعد جب اسلامی نظم حکومت استوار ہوا تو
شیخ شمس الدین مفتی کے اعقاب و اخلاف اپنے جد و پدر کی علمی
دینی مناصب و خدمات کے صحیح وارث و امین قرار پائے اور معاصر
حکمرانوں کی جانب سے منصب قضا کے لئے نامزد و متعین کئے گئے،
اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ ان کے خاندان میں رہتک کی دینی
امارت و قیادت اور عہدہ قضا کا تسلسل کئی نسلوں تک قائم رہا۔

شیخ شمس الدین مفتی کا مدفن

اگرچہ شیخ شمس الدین مفتی کے تفصیلی حالات اور انکا سنہ
وفات معلوم نہیں، لیکن الامداد میں حضرت شاہ صاحب کی تحریر
سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مفتی کا جنازہ ان کے خلوت کدے سے غائب
ہو گیا تھا جہاں وہ نماز جنازہ کے بعد ان کی حسب وصیت رکھ دیا
گیا تھا، واقعہ کی صحیح حقیقی صورت کیا تھی اور جنازہ کس طرح
غائب ہوا اس کی تحقیق و تصدیق کا کوئی ذریعہ ہمدست نہیں،
مگر ایک قدیم یادداشت (۲۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شمس الدین
مفتی، پرانی دلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار
کاکا کے مزار کے قریب جنگل میں دفن ہوئے اور ان کی قبر، مزار
جنازہ پرانے کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ مولانا جعفری بھی اس
طلاع کی تصدیق کرتے ہیں، ان کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ
مفتی کی وفات کسی اور مقام پر ہوئی تھی، جنازہ مہرولی میں ملا

اور وہیں دفن کیا گیا۔ مولانا لکھتے ہیں :

،،ویدکر فی اہل مرہولی (کذا) جوار مزار خواجہ قطب الدین ان
جنازہ اقت قریب المصلی فی الدفن القدیم فدفنوه ، فقیل
لصاحب ذالک القبر پیر جنازہ پراں قدس سرہ ، فقبرہ یزار و
یتبرک بہ ،، (۳۰)

یہ مزارات آج تک موجود اور زیارت گاہ خلائق ہیں ، اگرچہ سرسید
احمد نے ان کا ذکر نہیں کیا ، لیکن دلی کی تاریخی آثار و عمارات
کے ایک اور محقق و مورخ مولوی بشیر الدین احمد نے ان کا جائے
وقوع مہرولی میں عیدگاہ التمش کے عقب میں دیوار عیدگاہ سے
ملحق بتایا ہے اور لکھا ہے :-

،،عیدگاہ کی پچھیت کی دیوار سے ملے ہوئے چند مزار ہیں ، جن
میں سے دو کے نام لوگ بتاتے ہیں جنازہ پراں ، اور شیخ جلال الدین
تبریزی اور تین قبریں بے نام ہیں ،، (۳۱)

مولوی بشیر الدین نے دو مزارات کا ذکر کیا ہے مگر دراصل یہ
پانچ الگ الگ قبریں ہیں ، مگر ان میں سے کسی پر بھی کتبہ نصب
نہیں تاہم یہ معلوم و معروف ہے کہ ان میں ایک قبر شیخ جلال الدین
تبریزی کی اور ایک شیخ شمس الدین جنازہ پراں کی ہے (۳۲) ، یہ
قبریں عیدگاہ التمش کی غربی دیوار سے بالکل ملحق اور مزار شیخ
اوحد الدین کرمانی سے کسی قدر فاصلے پر ہیں - (۳۳) -

شیخ شمس الدین کے اعقاب و اخلاف کی رہائش گاہ
دسویں صدی ہجری کے اواخر تک یہ تمام خاندان قلعہ رھتک
کے متصل اس عمارت میں رہائش پذیر تھا جو قلعہ خورد کہی جاتی
تھی اور بعد میں محلہ چشتیاں کے نام سے مشہور ہوئی (۳۴) ، دسویں
صدی کے اواخر میں شیخ احمد بن محمود نے شیخ عبدالغنی سونی
پتی (م ۱۰۱۶ھ) (۳۵) کی دختر سے شادی کی اور سونی پت سے

رہتک واپسی کے بعد اپنے اور اپنے اہل خاندان کے رہنے کے لئے قلعہ نما ایک وسیع عمارت تعمیر کرائی ، حضرت شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں :-

،،شیخ احمد در صغر سن از رھتک برآمد و باشیخ عبدالغنی ابن شیخ عبدالحکیم نشوونما یافت ، مشار الیہ اور اباجگر پارہ خود ازدواج دادہ مدترے ترتیب فرمود ، بعد ازاں در رھتک باز آمدہ بیرون قلعہ عمارتے ساختہ اعوان و موالی خود راباخود جادادہ (۳۶)۔

یہ عمارت اولاً قلعہ شیخ احمد کے نام سے پھر سرائے شیخ احمد اور آخر میں محلہ سرائے کے نام سے مشہور ہوئی ، ۱۹۴۷ء تک خانوادہ شیخ احمد اور شیخ ابو الرضا محمد کے بچے کچھے افراد اسی محلہ میں رہتے تھے ، قیام پاکستان کے بعد وہ سب پاکستان جا کر ادھر ادھر مختلف شہروں میں منتشر ہو گئے ، اور حویلی کے آثار نیست و نابود ہو کر اغیار کے مکانات بن گئے ۔ سدا نام رہے اللہ کا ۔

شیخ احمد نے ۱۰۲۳ھ میں وفات پائی (۳۷) ، ان کے پر پوتے شاہ وجیہ الدین سیواجی مرہٹہ کے عہد میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے ساتھ داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے اور بھوپال کے قریب دفن ہوئے، اس نواح میں شاہ وجیہ الدین کنگن ولی کے نام سے مشہور ہیں ، (۳۸) اگرچہ الامداد میں شاہ وجیہ الدین کے سنہ وفات کا ذکر نہیں مگر یہ امر یقینی ہے کہ وہ ربیع الاول ۱۰۹۱ھ اپریل ۱۶۸۰ء میں سیواجی مرہٹہ کی موت سے پہلے رحلت کر گئے تھے ۔

(۳)

زوجات محترمت

شاہ ولی اللہ کے دو نکاح ہوئے ۔ پہلا مسماء امت بنت شاہ عبید اللہ پھلتی سے ۱۱۲۸ھ / ۱۷۱۶ء میں اس وقت ہوا جب شاہ عبدالرحیم حیات تھے اور شاہ ولی اللہ کی عمر صرف چودہ سال تھی،

خود شاہ صاحب کا ارشاد ہے : وسال چہار دہم صورت تزوج گرفت» (۳۹) مگر شاہ صاحب نے اس کی صراحت نہیں کی کہ اس وقت صرف نکاح ہوا تھا یا شادی کے تمام مراسم سر انجام ہو گئے تھے ، لیکن قرین قیاس ہے کہ اسی وقت رخصتی بھی ہو گئی ہوگی ۔

امت الرحیم شاہ ولی اللہ کے ماموں ، شاہ عبید اللہ کی دختر اور شاہ محمد عاشق پھلتی کی ہم شیر تھیں ، انہوں نے شادی کے بعد اکیس سال حضرت شاہ ولی اللہ کی معیت و رفاقت میں بسر کئے اور تقریباً ۱۱۳۹ھ / ۳۷ - ۱۷۳۶ء میں تین بچے ایک بیٹا دو بیٹیاں چھوڑ کر وفات پا گئیں، ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے میر معین الدین ٹھٹوی کے نام ایک خط میں لکھا ہے :-

»از عجائب اتفاقات آنکہ قبل ورود نامہ گرامی بچند روز اہلیہ این فقیر کہ بنت ... وہم بمعیت بست و یک سالہ می شد بمرض اسہال ازیں جہاں واژگون انتقال کرد « (۴۰)

مسماء امت الرحیم (۴۱) کی وفات کے بعد شاہ صاحب نے سونی پت کے خانوادہ سادات (۴۲) میں جس کے شاہ صاحب اور ان کے تمام اہل خاندان سے کئی نسلوں سے مراسم اور قرابت و ازدواج کے تعلقات تھے (۴۳)، مولوی حامد سونی پتی (۴۴الف) کی دختر بی بی ارادت سے دوسرا نکاح کیا ، (۴۴ب) ان دونوں خاندانوں کے باہمی قدیم رشتوں کے علاوہ مولوی حامد کی دختر سے نکاح کا ایک اور محرک یہ تعلق رہا ہوگا کہ مولوی حامد، شاہ عبدالرحیم کے رفیق درس (۴۵) اور شاہ فخر العالم خلف شاہ ابوالرضا محمد کے داماد اور خلیفہ مجاز تھے (۴۶) ۔ اگرچہ بی بی ارادت سے نکاح کی صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن اس قول کی صداقت مشتبہ ہے کہ »شاہ صاحب کی دوسری شادی ۱۱۵۷ھ میں ہوئی تھی « (۴۷) قرائن و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بیوی کی وفات کے بعد جلد ہی بی بی ارادت سے نکاح ہو گیا تھا۔

اگر دونوں واقعات میں کسی قدر وقفہ بھی ہوا ہو تب بھی نکاح ثانی ۱۱۵۷ھ سے بہت پہلے ہوا ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کا ایک ملفوظ اس خیال کا مؤید ہے، شاہ صاحب نے ایک مجلس میں فرمایا :-

”در شب بست و پنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ بودم چون والدین را کودک بستیار مرده بودند مگر برائے من کمال بود“ (۳۸)

یعنی شاہ عبدالعزیز کی ولادت سے پہلے حضرت شاہ صاحب کے والدین (شاہ ولی اللہ اور بی بی ارادت) کے کئی بچے ضائع ہو چکے تھے، زوجہ ثانیہ کی پہلی اولاد جو حیات رہی شاہ عبدالعزیز تھے۔ اگر نکاح ثانی کا سنہ ۱۱۵۷ھ تسلیم کیا جائے تو اس وقت سے شاہ عبدالعزیز کی ولادت ۱۱۵۹ھ تک صرف ایک بچے یا حمل کے ضائع ہو جانے کا وقفہ رہتا ہے، اس میں کودک بسیار کی گنجائش کہاں؟

ایک بزرگ مصنف و محقق نے اس ملفوظ کی تصحیح فرمائی ہے اور والدین کی جگہ والد من کو درست قرار دیا ہے، (۳۹) مگر اس رائے سے بھی اتفاق مشکل ہے کیونکہ زوجہ اول محترمہ امت الرحیم کی وفات کے وقت تین بچے حیات تھے، جن میں ایک بچی جو زوجہ اولی کی آخری اولاد تھی صرف چھ مہینے کی تھی اس لئے زوجہ اولی کے بچوں کے حیات نہ رہنے کا شکوہ صحیح اور برمحل ہے؟ لہذا معلوم ہوا کہ یہ تمام حوادث و آلام دوسری بیوی کو پیش آئے اور اسی میں کئی سال گذر گئے، جیسے جیسے وقت گذرتا گیا بچے کی آرزو تمنا میں اضافہ ہوتا رہا، طویل وقفے اور بڑی امیدوں کے بعد زوجہ ثانیہ بی بی ارادت کے بطن سے ایک فرزند تولد ہوا جو حیات رہا، فرزند کے تولد اور صحت و عافیت کی خبر

سے پورے خاندان میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے مرحوم زوجہ کے کمسن بچوں کی نگہداشت و پرورش کی ضرورت کے پیش نظر دوسرے نکاح میں عجلت فرمائی ہو، اس کا اشارہ خود شاہ صاحب کے مکتوبات میں بھی ملتا ہے، تحریر ہے:

»و از کسے متکفلات اولاد نمائد، تشویشے لاحق شد «(۵۰)

محترمہ بی بی ارادت نے خاصی طویل عمر پائی، حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے فرزند شاہ عبدالغنی کی وفات (۱۲۰۳ھ) تک حیات تھیں، (۵۱) تاریخ وفات معلوم نہیں۔

(۵)

اولاد

دونوں بیویوں سے حضرت شاہ صاحب کی متعدد اولاد ہوئیں، جس میں سے نو کے متعلق معلومات دستیاب ہیں، اور نو میں سے سات شاہ صاحب کی وفات (۲۹ مجرم ۱۱۷۶ھ - یوم شنبہ ۲۱ - اگست ۱۷۶۲ء) کے وقت حیات تھیں۔ تفصیلات اس طرح ہیں۔

زوجہ اول سے تین، ایک فرزند مولانا شاہ محمد - دو لڑکیاں

محترمہ صالحہ اور امت العزیز - زوجہ ثانیہ سے چھ، چار فرزند

(حضرت شاہ) امام الدین عبدالعزیز - رفیع الدین عبدالوہاب - معین الدین عبدالقادر - رضی الدین عبدالغنی - اور دو بیٹیاں فاطمہ اور فرخ بی بی - آئندہ سطور میں اولاً بیٹیوں کا ذکر آئے گا پھر صاحبزادگان کا مختصر احوال جس میں ان کے صحیح سنین ولادت و وفات متعین کرنے کی کوشش ہوگی۔

محترمہ صالحہ بنت حضرت شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ صاحب کی زوجہ اول سے جو اولاد حیات رہی ان میں سب سے بڑی محترمہ صالحہ ہیں، شاہ صاحب نے زوجہ

اول کی وفات پر میر معین الدین ٹھٹوی کو جو خط لکھا تھا اس کا ایک اقتباس گزر گیا ہے ، دوسطریں اور پڑھ لیجئے :

،،وسہ یکے دختر شش سالہ دومی فرزند سہ سالہ وسیم دختر شش ماہہ گذاشت واز کسے متکفلات اولاد نماند تشویشہ لاحق شد،، (۵۲)

اس اقتباس کی روشنی میں جو ایک اہم اور مستند ترین ذریعہ معلومات ہے ، محترمہ صالحہ کا سنہ ولادت ۱۱۴۳ ھ / ۳۱ - ۱۲۳۰ ء تقریباً متعین ہے ۔ ان کے سنہ ولادت کے علاوہ کوئی اور اطلاع راقم سطور کو نہیں ملی مگر مولانا مجتبیٰ حیدر صاحب کاکوروی نے مطلع فرمایا ہے کہ :

،،ان کی شاہ ولی اللہ کی حیات میں شادی ہوگئی تھی مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی ، شاہ صاحب کے سامنے ہی لاولد انتقال کر گئیں ، اس عالم میں جو اس کا بدل ان کو عطا ہوا اس کی تفصیل شاہ صاحب نے عرصہ بعد بیان فرمائی (۵۳) ۔

محترمہ أمة العزیز بنت شاہ ولی اللہ

أمة العزیز عرف مسیتی زوجہ اولی کی آخری یادگار تھیں ، تقریباً ۳۹ - ۱۱۴۸ ھ / ۳۹ - ۱۲۳۸ ء میں ولادت ہوئی ، چھ مہینہ کی تھیں کہ والدہ وفات پاگئیں ۔ ازدواج و نکاح کے متعلق مستند معلومات دریافت نہیں ، لیکن مولانا عاشق الہی میرٹھی نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

،،جن کا نکاح شاہ ولی اللہ نے اپنے ماموں زاد بھائی اور

خلیفہ اکبر شاہ محمد عاشق کے صاحبزادے سے کیا ،، (۵۴)۔

اگرچہ مولانا میرٹھی نے شاہ محمد عاشق کے صاحبزادے کا نام نہیں لکھا جو امت العزیز کے شوہر تھے مگر دیگر مآخذ و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ امت العزیز شاہ محمد عاشق کے بڑے صاحبزادے شاہ

محمد عبدالرحمن (مرتب مکتوبات شاہ ولی اللہ) کے نکاح میں آئیں، اور اس ضمن میں عبدالرحیم ضیاء کی یہ اطلاع درست نہیں کہ :
 ,,ایک دختر مسمیۃ بی بی امت العزیز - دختر مذکورہ کی مولوی محمد فائق بن مولوی محمد عاشق سے شادی کر دی « (۵۵) -

کیونکہ شاہ محمد فائق، شاہ صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی بی بی فرخ کے شوہر تھے ، اور ان کا نکاح شاہ صاحب کی حیات میں ہونا اس لئے قرین قیاس نہیں کہ وہ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ کی وفات (۱۱۷۶ھ) کے وقت شیر خوار دو ڈھائی سال کی تھیں ، لیکن شاہ عبدالرحمن کا نکاح شاہ ولی اللہ کی حیات میں ہو گیا تھا اور وہ ۱۱۶۸ھ / ۵۵ - ۱۷۵۳ء میں انتقال کر گئے تھے - شاہ ولی اللہ کے متعدد خطوط میں شاہ عبدالرحمن اور ان کی اولاد کا ذکر ہے - ایک خط میں تحریر ہے :

,,وقد وصل الولد العزیز عبدالرحمن مع اولادہ بالخیر والعافیہ,, (۵۶)
 عزیزم عبدالرحمن اپنی اولاد کے ساتھ خیر و عافیت سے (پہان) پہنچے -

اہل پہلت کے نسب ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحمن کے دو صاحبزادے ہوئے ابو الفضل اور ثناء اللہ - ثناء اللہ کے بھی دو بیٹے ہوئے محمد عثمان، محمد یوسف اور یہ وہی محمد یوسف ہیں جو تحریک جہاد سید احمد شہید کے سرگرم رکن تھے اور جن کو حضرت سید احمد شہید کے تمام تذکرہ نگار نبیرۃ شاہ اہل اللہ محمد یوسف بن عمر بن شاہ اہل اللہ لکھتے ہیں (۵۷) حالانکہ اس وقت تک کسی ذریعہ سے محمد عمر نامی شاہ اہل اللہ کے کسی بیٹے کے وجود کی تصدیق نہیں ہو سکی اور خانوادہ ولی اللہی کے نسب ناموں میں بھی ان کا ذکر نہیں -

محترمہ فاطمہ بنت شاہ ولی اللہ

شاہ عبدالرحمن خلف شاہ محمد عاشق کی وفات (۱۱۶۸ ھ) کے بعد تولد ہوئیں، ان کی ولادت کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے ایک خط میں لکھا ہے :

„از نعم الہی دریں ایام آنست کہ صبیہ متولد شد چون خانہ ما از اسم فاطمہ خالی شدہ بود ہمیشہ در خاطر این.... میگذشت، این صبیہ را فاطمہ نام کردہ شد (۵۸)۔“

افسوس بی بی فاطمہ کی حیات، کل عمر اور نکاح و ازدواج کے متعلق کوئی اور اطلاع راقم سطور کو نہیں ملی چونکہ اس خط کے علاوہ کسی اور ماخذ و مکتوب میں ان کا ذکر نہیں ملا اس لئے خیال ہے کہ شاید وہ کمسنی میں وفات پاگئی ہوں ؟

محترمہ فرخ بی بی بنت شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ صاحب کی دوسری زوجہ سنہ یہ آخری اولاد ہیں، صحیح سنہ ولادت معلوم نہیں مگر حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے برادران گرامی کے سنین ولادت کی ترتیب کے پیش نظر فرخ بی بی کا سنہ ولادت تقریباً ۱۱۴۲ ھ / ۶۱ - ۱۲۶۰ء متعین کیا جا سکتا ہے۔ فرخ بی بی شاہ محمد فائق خلف شاہ محمد عاشق کے نکاح میں آئیں، خانوادہ ولی اللہی پر قلمی یادداشت کی اطلاع ہے :

„واین ہر چہار بزرگان معہ یک خواہر کہ در عقد نکاح شاہ محمد فائق پھلتی پسر حضرت شاہ محمد عاشق مذکور قدس سرہ بقید حیات موجود است و صاحب اولاد است۔“ (۵۹)

اور مولانا جعفری نے شاہ عبدالعزیز کے ماموں شاہ کبیر بن صدر العالم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :-

„وکانت زوجہ فخر العالم من السادة القطبية الزکویہ اولاد الامیر قطب الدین الکڑی - فولدت له صدر العالم وهو ابی و فاخرہ

النساء وہی ام والدۃ الشیخ امام الدین عبدالعزیز ، والشیخ رفیع الدین عبدالوہاب والشیخ معین الدین عبدالقادر ، والشیخ رضی الدین عبدالغنی ، والد العالم الفاضل اسمعیل الشہید رحمہ اللہ و فرخ بی بی وہی زوجۃ الشیخ محمد الفایق بن الشیخ محمد العاشق ، الخ (۶۰)

بی بی فرخ کے متعدد اولادیں ہوئیں نسب نامہ اہل پہلت میں محمد معصوم، محمد صادق اور عبدالسلام کا ذکر ہے۔ اول الذکر دونوں لاولد تھے۔ فاطمہ کا نکاح مولوی معظم اللہ خلف شاہ اہل اللہ سے ہوا۔ نسل چلی اور عبدالسلام کا سلسلہ بھی خاصا پھلا پھولا اور اس وقت تک برگ و بار لا رہا ہے۔

نسب نامہ اہل پہلت میں بی بی فرخ کی ان ہی مذکورہ چار اولادوں کا ذکر ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فرخ کی ایک دختر اور بھی تھیں جو اپنے والدین کی حیات میں انتقال کر گئی تھیں ، محولہ بالا خط میں اسی حادثہ کی تعزیت ہے ، آخر میں لکھتے ہیں -

„...یبلغوا مثل هذه التسلیة الى اختی ... الله سرها وحفظها من کل سوء و بارک فیہا و فی اولادہا - آمین - الخ “ (۶۱)

مولانا شاہ محمد خلف اکبر حضرت شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ صاحب کے میر معین الدین ٹھٹوی کے نام محولہ بالا مکتوب کی رو سے جس کے اقتباسات گزر چکے ہیں شاہ محمد کا سنہ ولادت ۱۱۳۶ ھ / ۳۳ - ۱۷۳۳ء معلوم و متعین ہے ، شاہ محمد کی تعلیم و ارشاد کی تفصیلات دریافت نہیں تاہم اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ابتدائی کتابوں سے منتہانہ نصاب تعلیم تک اکثر کتابوں میں والد ماجد سے تلمذ و استفادہ کا موقع ملا ہوگا ، شاہ محمد کی تعلیم کے ابتدائی ایام میں حضرت شاہ صاحب نے ان کے

لئے ایک رسالہ ،،ضوابط املاء کلمات و قواعد کتابت، مرتب کیا تھا (۶۲) اس کے شروع میں لکھا ہے :

،،بر خوردار سعادت اطوار فرزندم محمد سلمہ اللہ تعالیٰ بداند کہ درنوشتن دو قاعدہ مستحضر باید ساخت ، یکے آنکہ ہر کلمہ راجدا باید نوشت خواه اسم باشد یا فعل یا حرف الخ،
مولانا عبدالحئی حسنی نے شاہ عبدالعزیز کے ایک رسالہ کے حوالہ سے شاہ محمد کو شمائل ترمذی اور حصن حصین کے درس میں شاہ عبدالعزیز کا رفیق و ہمدرس لکھا ہے ، مولانا حسنی کا قول ہے :
،،(اخذ) الحصن الحصین و شمائل الترمذی سماعاً علیہ بقراءة اخیہ الشیخ محمد - الخ ،، (۶۳)

لیکن راقم سطور کو اس اطلاع کی تصدیق میں تامل ہے ، معلوم نہیں مولانا حسنی نے یہ اطلاع کہاں سے اخذ کی، اگر شاہ عبدالعزیز اس کا ذکر فرماتے تو اس اطلاع کا صحیح محل شاہ صاحب کی تالیف رسالہ عجالۃ نافعہ تھی، اس میں شاہ صاحب نے شیخ محمد کے ساتھ اشتراک سماعت و قراۃ کا کوئی ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہ لکھا ہے کہ :-

،،این فقیر این علم و جمیع علوم را محض از خدمت والد ماجد خود اخذ کرده است ، و بعضی کتب این علم را مثل مصابیح و مشکوٰۃ و سوی شرح موطا کہ از تصانیف ایشانست و حصن حصین و شمائل ترمذی از خدمت ایشان قراۃ و سماعاً بہ تحقیق و تفتیش اخذ نموده ،، (۶۴)

تاہم اگر شاہ محمد کی شاہ عبدالعزیز کے ساتھ رفاقت و درس کی اطلاع درست ہے تو یہ اشتراک وہم سبقی بلاشبہ تیمناً و تبرکاً ہوئی ہوگی کیونکہ جس وقت شاہ عبدالعزیز نے (تقریباً ۱۱۷۵ھ میں) شاہ

ولی اللہ سے شمائل ترمذی اور حصن حصین پڑھی اس وقت شاہ محمد کی عمر ۲۸ - ۲۹ سال ہوگی ، اور اس عمر تک تدریس و تعلیم میں مشغول رہنا خانوادہ ولی اللہی کی روایات کے خلاف اور ناقابل یقین ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے مرض الوفات میں شاہ عبدالغنی کے علاوہ اپنے چاروں صاحبزادوں کی نسبت مع اللہ کی کیفیت کا اور ان کی متوقع روحانی ترقیات کا حضرت شاہ عبدالعزیز سے ذکر کیا تھا اس میں شاہ محمد کا تذکرہ بھی ہے ، فرمایا :

،،وشیخ محمد را نسبت مع اللہ مانند نسبت شاہ حسین خواہد

شد ،، (۶۵)

شاہ محمد کی زندگی کا بڑا حصہ بھائیوں کے ساتھ دہلی میں گزرا ، شاہ عبدالعزیز کے متعدد مکتوبات میں مکتوب الیہم کو شاہ محمد کا سلام لکھا ہے جو اس کی واضح شہادت ہے کہ شاہ محمد ، شاہ عبدالعزیز کے ساتھ ہیں ، (۶۶) نیز شاہ عبدالعزیز کے خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد کا افضل خاں کی چھاؤنی لکھنؤ میں بھی کچھ عرصہ قیام رہا ہے ، (۶۷) لیکن سید احمد ولی اللہی کے اس قول میں کچھ صداقت نہیں کہ : شاہ محمد ہمیشہ پھلت میں رہے (۶۸)۔ شاہ محمد اپنے والد ماجد اور بھائیوں کی طرح بڈھانہ (ضلع مظفر نگر) بھی آتے جاتے رہتے تھے ، اور یہیں کے زمانہ قیام میں ۱۲۰۸ھ / ۹۳ - ۱۷۹۳ء میں وفات ہوئی ، اور جامع مسجد کے صحن میں دفن کئے گئے ۔ منشی فرحت اللہ پھلتی نے لکھا ہے :-

،،ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی لاولد مر گئے ، اور قبر ان کی

قصبہ بڈھانہ مسجد کلاں میں ہے ، تاریخ وفات دخل الجنة ہے (۶۹)

منشی فرحت اللہ کے نقل کئے ہوئے فقرہ تاریخ میں سہو کاتب سے لفظ فی ترک ہو گیا ہے موجودہ صورت میں اس کے اعداد گیارہ سو آٹھ

ہیں جو اس خاندان کی کسی معروف شخصیت کی تاریخ ولادت ہے نہ تاریخ وفات ، اگر فقرہ تاریخ دخل فی الجنة ہو تو اس کے اعداد بارہ سو آٹھ ہو جاتے ہیں جو مولانا شاہ محمد کا سنہ وفات ہے ، یہی سنہ مولانا عبدالحئی حسنی نے بھی لکھا ہے ۔ (۴۰)۔

مولانا شاہ محمد کی قبر جامع مسجد بڈھانہ (۱) کے شمال مشرقی کونے میں حوض اور وضو خانہ کے درمیان میں واقع ہے ، اس جگہ کل تین قبریں ہیں کونسی قبر کس کی ہے متعین طور پر معلوم نہیں ، تاہم اس میں ایک قبر بے شک و شبہ شاہ محمد کی ہے ، ایک اور قبر کے متعلق بعض اہل بڈھانہ کا قول ہے کہ وہ شاہ نور اللہ بڈھانوی کی ہے ، تیسری کا حال معلوم نہیں ۔

شاہ محمد کا شاہ نور اللہ کی دختر صبیحہ سے نکاح ہوا ، اور لاولد ہونے مگر عبدالرحیم ضیا کے بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ مولانا شاہ محمد کے دو بیٹے تھے جو شاہ محمد کے برابر آسودہ خاک ہیں (۲) لیکن یہ قول ضحیح نہیں ، عبدالرحیم ضیاء کے علاوہ کوئی اور تذکرہ نگاران کی اولاد کا ذکر نہیں کرتا ، اگر شاہ محمد صاحب اولاد ہوتے تو خانوادہ ولی اللہی پر قدیم یادداشت اور مولانا جعفری کی کتاب سے اس کا کوئی اشارہ و تذکرہ ملتا مگر یہ دونوں اس تذکرہ سے خاموش ہیں نیز منشی فرحت اللہ پھلتی (۳) اور مولانا عاشق الہی میرٹھی (۴) نے مولانا محمد کو صراحتاً لاولد لکھا ہے اور نسب نامہ اہل پھلت بھی اسی موخر الذکر روایت کا مؤید ہے ۔

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز

۲۵ رمضان المبارک سنہ ۱۱۵۹ ھ / ۱۲ - اکتوبر سنہ ۱۷۷۶ء

کو ولادت ہوئی ، خود شاہ عبدالعزیز کا ارشاد ہے :۔

» در شب بست و پنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ بودم « (۵)

غلام حلیم (اعداد : ۱۱۵۹) تاریخی نام ہے (۶) والد ماجد اور شاہ

محمد عاشق نیز شاہ نور اللہ بڈھانوی سے تعلیم حاصل کی، حضرت شاہ ولی اللہ نے شاہ عبدالعزیز کو مبادیات صرف کی تعلیم و تفہیم کے لئے ایک منظوم رسالہ فارسی میں تحریر فرمایا تھا اس کے کلمۂ افتتاح میں لکھتے ہیں :-

,,وبعد فقیر ولی اللہ عفی عنہ چوں فرزند ارجمند عبدالعزیز تعالیٰ وفقہ لہما یحب و یرضی مشغول شد مناسب نمود کہ قواعد منورہ این فن را در رشتہ الخ باسہل وجہ ضبط آن میسر آید ، بہ نسخہ صرف مولانا نور الدین جامی قدس سرہ توجہ افتادہ دیدہ شد کہ قلیلے ازان قواعد منظوم فرمود و بعضی آخر گذاشتہ، ظاہراً آن استاد نامدار بعد تسوید نسخہ مذکورہ بنظر ثانی اصلاح فرمودہ و توجہ آن نگاشتہ ، لا جرم بعضی ابیات تیمناً و تبرکاً بعینہا آوردہ شد ، و در بعضی تصرفی بحسب امکان کردہ آمد ، و بعضی آخر بر بیان اسلوب و وزن زیادہ کردہ شد « (»

حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد ان کے تمام مناصب اور ذمہ داریوں کا بوجھ شاہ عبدالعزیز کے کاندھوں پر آگیا تھا ، اور شاہ عبدالعزیز نے اپنی کمسنی کے باوجود یہی نہیں کہ اس کا شایان شان حق ادا کیا بلکہ ہر لحاظ سے اسکو چار چاند لگا دینے، اپنے چھوٹے بھائیوں کی ایسی رہنمائی اور تعلیم و تربیت فرمائی کہ باید و شاید - حالانکہ شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت شاہ عبدالعزیز کی عمر صرف سولہ سال چند مہینے تھی ، اور اس وقت شاہ رفیع الدین تیرہ سال کے شاہ عبدالقادر نو سال کے اور شاہ عبدالغنی پانچ سال کے تھے - اگر شاہ عبدالعزیز اپنے بھائیوں کی ایسی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے علاوہ زندگی بھر اور کوئی علمی دینی خدمت سر انجام نہ دیتے تو بھی ان کا یہی ایک کارنامہ رہتی دنیا تک ان کے کلاہ عزت و افتخار

میں نگینہ کی طرح چمکتا رہتا اور ہمیشہ ان کی یاد تازہ رکھتا ، مگر شاہ عبدالعزیز کی خدمات کا دائرہ اس سے بہت وسیع ، بہت عمیق ، بہت متنوع اور نہایت کثیر الجہت ہے ۔

شاہ عبدالعزیز کے حلقہ تعلیم و تربیت سے بے شمار ایسے بلند قامت انسان اٹھے کہ ان کا طرہ فضل و کمال غزالی و رازی سے آنکھیں ملاتا تھا اور جن کی مجالس درس اپنی وسعت اور اثر و نفوذ میں علمائے متقدمین کی یاد تازہ کراتی تھیں ۔ ان میں سے ہر ایک فضل و کمال کا منبع اور علم و ارشاد کا سرچشمہ تھا، ان کا وجود ہندی ملت اسلامیہ کے لئے سرمایہ فخر و مباہات اور وجہ نازش و افتخار تھا ، پچھلے دو سو برس کی تاریخ میں اور آج بھی برصغیر ہند پاکستان اور بنگلہ دیش کا کون مسلمان ہے جو ایمان و عقاید کی اصلاح اور طریقہ ہدایت و سنت کی دریافت اور پیروی میں ان بزرگوں کے خوان علم کا خوشہ چیں اور ممنون کرم نہیں، اور اس برصغیر کے کس ادارہ اور تحریک کے اصلاحی ، تعلیمی نظریات کا رشتہ شاہ عبد العزیز یا ان کے حلقہ تلامذہ سے وابستہ نہیں

بلاشبہ اس براعظم کی گزشتہ دو سو برس کی دینی علمی اصلاحی تصنیفی اور فکری تاریخ شاہ عبدالعزیز کی خدمات و اثرات کی تاریخ ہے ، اور ہندی ملت اسلامیہ کا ہر ادارہ تعلیم و تبلیغ کا ہر مرکز ، اور ارشاد و تلقین کا ہر اک حلقہ چاہے اس کو اس وقت کچھ بھی رنگ اور نام دیدیا گیا ہو وہ فیضان عزیزی کا ایک ثمر ہے ۔

شاہ عبدالعزیز ہندوستان کی ملت اسلامیہ کا وہ مہر منیر ، وہ نیرتابان اور وہ گوہر شب تاب ہے جس کے دم قدم سے ہندوستان میں اسلام کا ٹمٹماتا چراغ روشن ، توحید کا غلغلہ بلند اور اتباع سنت کا ولولہ تازہ ہوا، ان کی کاوشوں کا عکس آج بھی دل فروز اور ملت کے لئے مینارہ نور ہے اور برے شک و شبہ کہا جا سکتا ہے کہ اس برصغیر کے بیشتر تعلیمی و تبلیغی سلسلے انہیں کے سوز دروں کی باز گشت

اور انہیں کی کاوشوں کا پرتو ہیں جس کے اثرات سے ہندو پاکستان
اور بنگلہ دیش کا خطہ خطہ منور اور ذرہ ذرہ درخشاں ہے :

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتوآن

ہر کجای نگری انجمنی ساخته اند

شاہ عبدالعزیز کا صحیح سنہ وفات

شاہ عبدالعزیز نے اکیاسی سال کی عمر میں < شوال سنہ ۱۲۳۰ھ
۶/ جون ۱۸۲۳ء کو رحلت کی ، احمد علی بجنوری نے جو اس
المیہ کا عینی شاہد ہے اپنی ایک تحریر میں اس وقت کی دیدہ و
شنیدہ تفصیلات قلم بند کی ہیں ، اس میں یہی سنہ وفات درج ہے۔
مولانا محبوب علی جعفری نیز اکثر شعراء اور تذکرہ نگاروں نے بھی
یہی سنہ وفات بیان کیا ہے مولانا جعفری لکھتے ہیں :-

،،مات الشیخ عبدالعزیز فی السابیع من شوال سنۃ تسع و ثلاثین و

ماتین والف ،، (۸)

مومن کا لکھا ہوا قطعہ تاریخ فرط شہرت سے محتاج تعارف نہیں ،
یہاں اس کا صرف آخری شعر پڑھ لیجئے :-

دست برے داد اجل سے برے سروپا ہو گئے

فقر و دیں ، فضل و ہنر ، لطف و کرم ، علم و عمل (۹)

مولانا ابو الحسن حسن کاندھلوی نے بطریق تخریجہ تاریخ کہی :

حُجَّةُ اللَّهِ نَاطِقٌ وَ گویا شاہ عبدالعزیز فخر زمن

مہر نصف النهار در عرفان مثل بدر منیر درہمہ فن

روز یکشنبہ ہفتم شوال درمیان بہشت ساخت وطن

از سر لطف و حلم تاریخش رضی اللہ عنہ گفت حسن (۱۰)

لیکن مذکورہ بالا تصریحات اور کثیر شواہد کو نظر انداز کرکے بعض

شعراء اور تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحب کا سنہ وفات ۱۲۳۸ھ -

۱۲۳۰ھ اور بعض نے ۱۲۳۸ھ بھی نقل کیا ہے ، مگر یہ تینوں اور

شاہ صاحب کے سنہ وفات کی ۱۲۳۹ ھ کے علاوہ اگر کوئی اور روایت ہو تو وہ بھی یکسر غلط اور قطعاً بے اصل ہے، ۱۲۳۸ ھ اور ۱۲۴۰ ھ کی سب سے پہلی روایت سعادت یار خان رنگین سے منقول ہے، رنگین نے قطعہ تاریخ کہا :

بہر اوج حضرت عبدالعزیز اس کی یہ تاریخ رنگین نے لکھی
منظر خلد بریں کا قصر تھا شبلی ہند اور جنید عصر تھا (۸۱)

شاہ صاحب کے لوح مزار پر اول یہی سنہ وفات کندہ تھا (۸۲)، جب قدیم کتبات تبدیل کئے گئے اسوقت صحیح سنہ وفات درج ہوا۔ رنگین نے ایک اور فقرہ تاریخ بھی لکھا ہے ”ہمے مرا آج امام اعظم عہدے مگر یہ بھی صحیح نہیں — ۱۲۳۸ ھ کی روایت سرسید احمد نے آثار الصنادید میں ذکر کی ہے، سرسید کے الفاظ یہ ہیں :

،، ۱۲۳۸ ھ (بارہ سو اڑتالیس ہجری) میں اس جہان فانی سے سفر آخرت کو اختیار کیا ،، (۸۳) مولوی رحیم بخش نے حیات ولی میں بھی یہی سنہ لکھا ہے (۸۳)، مگر دونوں سے یہ غلطی سخت حیرت انگیز ہے، کیونکہ دونوں نے اپنی ان تحریرات کے بعد جو قطعہ تاریخ نقل کئے ہیں، ان سے صحیح سنہ وفات ۱۲۳۹ ھ صاف عیاں ہے خصوصاً مولوی رحیم بخش کا بیان محل تعجب ہے وہ حیات ولی کی تالیف سے پہلے اپنی کتاب حیات عزیزی میں صحیح سنہ وفات لکھ چکے تھے (۸۵) اور لطف یہ ہے کہ حیات عزیزی میں دو قطعہ تاریخ ہیں اور حیات ولی میں تین، اور ان میں سے ہر ایک قطعہ تاریخ سے صحیح سنہ وفات ۱۲۳۹ ھ برآمد ہوتا ہے (۸۶)، نیز حیات عزیزی میں ایک قطعہ تاریخ کے نیچے صحیح اعداد درج ہیں، لیکن حیات ولی میں مولانا ابو الحسن حسن کے قطعہ تاریخ کے نیچے اس کے اعداد ۱۲۳۸ ھ لکھنے جو بالکل غلط ہیں -

شاہ عبدالعزیز کی تاریخ ولادت ، عمر اور سنہ وفات تینوں ایک ہی فقرہ سے معلوم ہو جاتے ہیں، غلام حلیم (اعداد : ۱۱۵۹ ھ) تاریخ پیدائش ہے ، لفظ عطاء (اعداد : ۸۱) سے کل عمر معلوم ہوتی ہے ، اور عطاء غلام حلیم (اعداد : ۱۲۳۹ ھ) سنہ وفات کا مظہر ہے (۸۷)

ازدواج اور الاولاد

شاہ عبدالعزیز کا شاہ نور اللہ بڈھانوی کی دختر حبیبہ سے نکاح ہوا ، نکاح و ازدواج کا سنہ معلوم نہیں مگر حضرت شاہ ولی اللہ کی حیات میں اس رشتہ کی بنا ڈال دی گئی تھی ، اس رشتہ کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے شاہ نور اللہ کو جو خط لکھا تھا وہ مجموعہ مکتوبات شاہ ولی اللہ میں شامل ہے ،
شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں :-

„بالجملہ این علاقہ کہ بابت نسبت برخوردار محمد متجدد شد
با علاقہ اولیٰ بابت نسبت عبد العزیز چہ قدر بہجت
خاطر دارد الخ “ (۸۸)

محترمہ حبیبہ سے شاہ صاحب کی متعدد اولادیں ہوئیں ، ہمیں چھ بچوں کا علم ہو سکا ہے ، تین بیٹے ، تین بیٹیاں ، تینوں بیٹے کمسنی میں وفات پا گئے تھے ، لڑکیوں کے نکاح ہوئے ، اولاد ہوئی اور پھر بکے بعد دیگرے تینوں صاحبزادیاں اپنے والد کی حیات میں رحلت کر گئیں ، اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرحت اللہ پھلتی نے لکھا ہے : „ان (شاہ عبدالعزیز) کی اولاد انکے روبرو مر گئی “ - (۸۹)

شاہ عبدالعزیز کے متعلق سید احمد ولی اللہی کی یہ اطلاع صحیح نہیں کہ : „آپ سے کوئی فرزند نرینہ نہیں ہوا (۹۰) “ - شاہ صاحب کے تین صاحبزادے تھے ، قطب الدین ، زین الدین اور احمد - قطب الدین نے بارہ تیرہ سال کی عمر میں وفات پائی ، زین الدین نے

بھی اسی عمر میں تقریباً ۱۲۳۳ھ میں انتقال کیا ، احمد کی عمر اور سنہ وفات معلوم نہیں ۔ مگر شاہ صاحب کی ایک تحریر کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ احمد اور ان کی والدہ محترمہ دونوں کا شاید ایک ہی زمانہ میں انتقال ہوا ، شاہ صاحب نے لکھا ہے :-

”وان سالتم عنا فنحن ایضاً بحمد اللہ بعافیۃ ورفاہیۃ غیر ان ماجری فینا من تقدیرات اللہ تعالیٰ (رحلۃ) الولد العزیز احمد واختلال الانتظام المنزلی اوجب لنا الذہول عن اکثر ماتہم بہ ومن ثم وقع نبذ من التأخیر فی رسائل الرسائل “ (۹۱)

شاہ صاحب کی دختران کی تفصیل اس طرح ہے : عائشہ - رحمت النساء - اور مریم - (۹۲)

عائشہ : شیخ محمد افضل رھتکی کے نکاح میں آئیں ، شیخ محمد افضل شاہ ولی اللہ کے ہم جد تھے ، ان کا نسب چار واسطوں کے نسب نامہ ولی اللہی سے مل جاتا ہے ، عائشہ کے دو فرزند تھے حضرت شاہ محمد اسحق اور شاہ محمد یعقوب ، اور ایک دختر مسماۃ مبارک ، ان کا شاہ عبدالحنی بڈھانوی کی زوجہ اولی مریم کی وفات کے بعد شاہ عبدالحنی سے نکاح ہوا ، منشی فرحت اللہ پھلتی کا بیان ہے کہ : مسماۃ مبارک کی شادی ہوئی مولانا عبدالحنی صاحب سے بعد فوت ہو جانے مریم کے ، اور بعد دو سال کے روبرو شوہر و نانا خود لاولد مر گئیں (۹۳) ۔

رحمت النساء : دختر اوسط ، شاہ رفیع الدین کے فرزند مولوی محمد عیسیٰ سے منسوب ہوئیں ، اور اپنے شوہر کی وفات کے بعد ۱۲۳۶ھ / ۲۱ - ۱۸۲۰ء میں لاولد انتقال کر گئیں - مولانا ابو الحسن حسن کاندھلوی نے تاریخ کہی :

مخدومہ خلق حیف صد حیف حسن

چوں رخت ازیں جہان فانی بر بست

۱۲۲

تاریخ وفات او بگفتاها تف

بی بی رحمت ،، برحمت حق پیوست، (۹۳)

مریم : سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں، شاہ عبدالحنی بڈھانوی کے نکاح میں آئیں ۱۲۳۶ھ ، اور لاولد انتقال کر گئیں ۔

حضرت شاہ عبدالوہاب رفیع الدین

۱۹ ذی الحجہ ۱۱۶۳ ھ / ۱۹ نومبر ۱۷۵۰ء کو منگل کے دن پیدا ہوئے ، حضرت شاہ ولی اللہ نے اس مبارک و مسعود ولادت کا اپنے ایک خط میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور نومولود کی وجہ تسمیہ پر بھی روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں :-

يوم الثلاثاء تاسع عشر ذی الحجہ وقت الصخوة الكبرى فرزندے عطا فرمود، چون پیش از حمل آن والدہ اش مریض بود و توقع و توقع شفا بحسب عادت منقطع شدہ میان نور اللہ در واقعہ شفا مشار الیہا و تولد فرزند مبشر شدہ بودند، و در آن واقعہ بخاطر ایشان نشستہ بود کہ نام مولود رفیع الدین باشد، مانند جدے لام حضرت ما قدس اللہ اسرارہما ۔

ونیز یک روز در ضمن تلاوت اسم و ہاب بعض نعم الہی را کہ در حق این مسکین مقدر شدہ مشاہدہ شود از آنجملہ این ولد نیز مشتمل شد ، بملاحظہ ادب ہر دو واقعہ رفیع الدین عبدالوہاب نام این مقرر کردہ شد ، خدائے تعالیٰ اورا تربیت فرماید بوجہی کہ مرضی او تعالیٰ شود وشائستہ حمل امانت گردد انہ قریب

مجیب ،، (۹۵)

شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت شاہ رفیع الدین کی عمر تیرہ سال تھی اور وہ شرح جامی وغیرہ پڑھتے تھے ، ابتدائی کتابوں کی تعلیم کا صحیح حال معلوم نہیں مگر والد ماجد کی وفات کے بعد تمام درسیات شاہ عبدالعزیز سے اخذ کیں ، اور سلوک و معرفت میں شاہ محمد

عاشق پھلتی سے استفادہ کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کے بعض مکتوبات میں شاہ رفیع الدین ، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی کی تعلیم کا کچھ حال درج ہے ، نیز ان خطوط سے ان بزرگوں کی تعلیمی کیفیت اور انکی صلاحیت و استعداد کی روز افزوں ترقی کے علاوہ اس عہد کے طریقہ تعلیم خصوصاً ولی اللہی طریق درس کے مختلف مراتب و مراحل کی ایسی عمیق اور ہمہ جہت تصویر سامنے آتی ہے جو ہمارے حلقہائے درس میں ایک زمانہ سے مفقود ہے۔ اگرچہ ان خطوط کے متعلقہ اقتباسات خاصے طویل ہیں مگر بتمام و کمال لائق مطالعہ ہیں، شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

ان اخى رفيع الدين كان مشغولاً بالفوائد الضيائية و تعليقات الكافيه اذهجت هذه الواقعة التى اطارت الالباب واسطالت على القلوب و الاكباد ، فوفقنى الله تعالى بضبطهم و رعيتهم الى هذا الشان وحشهم على تحصيل العلم واخذہ بكل لسان - فائر ذالك فيهم واشتغلو بقراءة الكتب وسماعها على هذا الفقير فجاؤا الحمد لله كما تشتهيہ القلوب وتلذذه الاعين -

میرے بھائی رفیع الدین اللہ ان کو سلامت رکھے فوائد ضیائیہ (شرح جامی) اور تعلیقات کافیه پڑھ رہے تھے کہ والد ماجد کی وفات کا جانکاح اور ہوش ربا واقعہ پیش آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں نے سب بھائیوں کو تحصیل علم اور ہر رائج الوقت زبان سیکھنے کی ترغیب دی چنانچہ ان پر میری ترغیب کا اثر ہوا اور وہ اس فقیر کے پاس کتابوں کے پڑھنے اور سننے میں مشغول رہے تا آنکہ الحمد للہ حسب دل خواہ ایسی استعداد پیدا کی جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اما رفیع الدین فقد حفظ القرآن کله وفرغ بحمد اللہ من

تحصیل العلوم کلہا لاسیما الادبیۃ والفلسفیۃ والاصلین من العلم الدینیۃ بل اخذ من العلوم الغریبۃ کالہیئۃ والنجوم والحساب و الهندسة وما یجرى مجراها من الرمل و الجفر و التاريخ و علم الفرائض والشعر و رسائل التصوف بحظ وافر، وبقي له العبور على الصّاح الستہ وغیرہا من کتب الحديث و عسی ان یوفقه الله تعالى لذلك ایضاً، وهو بحمدالله مشغول بتفسیر البیضاوی ومشغوف بالتدریس وله تعلیقات و تدقیقات تقریبا العین و یسرہا الصدر۔ فالحمد لله علی ذالک۔

”بہر حال رفیع الدین نے قرآن شریف حفظ کر لیا ہے اور وہ بحمدالله تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو چکے ہیں خاص طور پر علوم ادبیہ اور فلسفہ اور علوم دینیہ کی دونوں اصولوں (قرآن و حدیث) میں ان کو تخصص حاصل ہے بلکہ انہوں نے علوم غریبہ بھی حاصل کئے ہیں جیسے ہیئت نجوم اور حساب ہندسہ اور جو ان کے ملحق و متصل ہیں جیسے رمل جفر، تاریخ، فرائض، شعر، نیز رسائل تصوف بھی پڑھے ہیں اور ان کو ان علوم میں پورا پورا حصہ ملا ہے۔ اور ابھی ان کی صحاح ستہ وغیرہا پر عبور یعنی دورہ حدیث باقی ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب اسکی بھی توفیق عطا فرمائے گا۔ اللہ کے فضل و کرم سے وہ اس وقت تفسیر بیضاوی پڑھ رہے ہیں، اور درس و تدریس کا بھی شغف رکھتے ہیں اور ان کے قلم سے بعض کتابوں اور علوم و مباحث پر تعلیقات و تحقیقات بھی ہیں جن سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور ہوتا ہے۔ و الحمد لله علی ذالک۔“

واما عبدالقادر، فهو ایضاً فرغ بحمد الله من حفظ القرآن کله واسمع فی التراویح مرات۔ وهو الان مشغول بالقطبی و

حواشی السید علیہ ۔

و اما عبد الغنی فقد حفظ نصف القرآن الکریم وهو مشغول

به ،، (۹۶) ۔

،، اور عبد القادر وہ اللہ کے فضل و کرم سے قرآن حفظ کر چکے ہیں اور کئی مرتبہ تراویح میں سنا چکے ہیں ۔ اس وقت وہ قطبی اور اس پر سید شریف کا حاشیہ پڑھ رہے ہیں ۔ اور عبد الغنی نے آدھا قرآن شریف حفظ کر لیا ہے ، اور وہ ابھی اسی میں مشغول ہیں ۔

اگرچہ شاہ صاحب کے اس مذکورہ بالا خط پر سنہ کتابت درج نہیں مگر اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے ڈیڑھ دو سال بعد لکھا گیا ہے اس خط کی تحریر کے کچھ عرصہ بعد ایک اور خط میں تینوں بھائیوں کی تعلیمی مصروفیات پر کچھ اور روشنی ڈالی ہے ان بزرگوں کی تعلیم و تدریس کے وقت اس خط کو نظر انداز کیا جانا قرین انصاف نہیں ۔ شاہ صاحب اس خط میں لکھتے ہیں :

رفیع الدین بفضل الہی از تحصیل علوم فارغ شدہ ، در مجلس عرس کہ مجمع علماء و فقراء بود، دستار تبرک بستہ اجازت درس دادہ شد، الحمد للہ مردم بسیاری ازوے مستفید اند ۔

و عبد القادر ہم اکثر کتب تحصیل را خواندہ است بمرتبہ فضیلت رسیدہ ان شاء اللہ ببرکت ارواح طیہ عن قریب فارغ التحصیل خواہد شد ۔

عبد الغنی قرآن را ختم نمودہ در رمضان مبارک گذشتہ در محراب استادہ شد، باہتمام تمام در حفظ قرآن شریف اہتمام نمود، الحال کتب فارسی شروع کردہ است، بعد ماہ مبارک آئندہ قصد ہست کہ شروع در صرف و نحو کنائیدہ خواہد شد،، (۹۷) ۔

رفیع الدین خدا کے فضل سے تعلیم سے فارغ ہو گئے ہیں ،
ایک یادگار مجلس میں جس میں علماء اور درویشوں کا ہجوم
تھا دستار تبرک باندھ کر ان کو درس کی اجازت دیدی گئی
ہے خدا کا شکر ہے بہت سے افراد ان کے علم اور تعلیم سے
فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔

اور عبدالقادر نے بھی درسی کتابوں کا اکثر حصہ پڑھ لیا ہے
اور فضیلت تک پہنچ گئے ہیں ، خدا نے چاہا تو وہ بھی ارواح
طیبہ کی برکت سے عنقریب رسمی تعلیم سے فارغ ہو جائیں گے ۔
عبدالغنی نے قرآن شریف ختم کیا ہے پچھلے رمضان مبارک
میں پہلی محراب سنائی اور قرآن شریف حفظ کرنے میں خوب
کوشش کی ہے اب انہوں نے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھنی
شروع کی ہیں، اگلے رمضان کے بعد ارادہ ہے کہ ان کو نحو و
صرف شروع کرا دی جائے ۔

سنہ وفات

شاہ رفیع الدین کی ستر سال کی عمر میں ، طاعون کے مرض
میں ۳ شوال ۱۲۳۳ھ - ۹ اگست ۱۸۱۸ء کو وفات ہوئی، مولانا
محبوب علی جعفری لکھتے ہیں :-

،،مات (الشیخ رفیع الدین) فی السادس من شوال سنة تسع
و ثلاثین و مائتین و الف فی الوباء ،، (۹۸)

عنبر خان عنبر رامپوری نے تاریخ کہی :

سہسہر معرفت مہر طریقت مہہ اوج ہوا صندید باقی

نمایاں کوکب برج شریعت فروزاں اختر امید باقی

بچرخ شرع حق نجم ہدایت بشمس ورع نور دید باقی

بگردون طریقت طرفہ کوکب بچرخ اتقا ناہید باقی

بافلاک علوم و دین و ملت مضی سیارہ تائید باقی

درخشاں آفتاب زہد و تقوی رفیع الدین کہ شد جاوید باقی
 جو از دور فلک زیر زمین شد بود تاریخ او ،، خورشید باقی،، (۹۹)
 چشمہ فیض (اعداد : ۱۲۳۳) سے بھی سنہ وفات معلوم ہوتا ہے ۔
 ملفوظات شاہ عبدالعزیز کا مرتب جو رجب ۱۲۳۳ ھ سے شاہ
 عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر تھا اور شاہ صاحب کے ملفوظات کی
 جمع و ترتیب میں مشغول تھا، وہ شاہ رفیع الدین کے مرض الموت،
 وفات اور تدفین اور اس حادثہ پر حضرت شاہ عبدالعزیز کے تاثرات
 کی دیدہ و شنیدہ تفصیلات ذکر کرتا ہے، (۱۰۰) اسلئے مذکورہ بالا سنہ
 وفات بلا شک و شبہ صحیح ہے اس سنہ کے علاوہ شاہ رفیع الدین کے
 سنہ وفات کی جو روایتیں نقل کی گئی ہیں مولوی فقیر محمد
 جہلمی اور رکن الدین نظامی نے ۱۲۳۸ ھ لکھا ہے (۱۰۱) ابو یحیی
 امام خان نوشہروی ۱۲۳۹ ھ کہتے ہیں (۱۰۲) مگر یہ تمام روایات بے
 اصل اور پایہ اعتبار سے ساقط ہیں ۔

ازدواج و نکاح

شاہ رفیع الدین کے تین نکاح ہوئے ، پہلا اپنی ماموں زاد عارفہ
 بنت شاہ صدر العالم سے، زوجہ ثانیہ کا نام و نسب معلوم نہیں،
 تیسری بیوی کا نام کلو تھا مگر ان کا بھی نسب اور تفصیلات مفقود
 ہیں ۔ شاہ صاحب کثیر الاولاد تھے ، اہل پہلت کے نسب نامہ میں
 دس اولادوں کا ذکر ہے جو جوان اور صاحب اولاد تھیں ۔ یہاں سب
 کا تذکرہ غیر ضروری ہے مگر دو بیٹوں اور ان کی اولاد سے صرف نظر
 کرنا غلط ہوگا ۔ یہ فرزند مولوی محمد موسیٰ اور مولوی محمد
 حسین تھے ، ان دونوں کے ذریعہ سے شاہ ولی اللہ کی پسری اولاد کا
 سلسلہ جاری رہا، اور اس وقت تک اسی طرح پر بہار و ثمر بار ہے ۔
 مولوی موسیٰ (از بطن زوجہ اولی) نے دو نکاح کئے، پہلا کلثوم

بنت شاہ عبدالغنی سے، ان سے ایک دختر فاضلہ پیدا ہوئیں، دوسرا سادات سونی پت میں امت السلام سے ہوا، ایک فرزند عبدالسلام، زوجہ ثانیہ سے تولد ہوئے جو ۱۲۹۳ھ تک حیات تھے (۱۰۲)۔

مولوی موسیٰ کی ایک دختر جو عبدالسلام کی ہمیشہ تھیں سید معزالدین سونی پتی سے منسوب ہوئیں، ان کے دو بیٹے تھے، سید معین الدین احمد، اور سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی (ناشر تصنیفات خانوادہ ولی اللہی و مؤسس مطبع احمدی دہلی) (۱۰۲) دونوں اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ اول الذکر کی ایک بیٹی امت العائشہ تھیں جو سید عبدالغنی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی والدہ ماجدہ تھیں، عبدالسلام کی اولاد کا سلسلہ خاصا وسیع اور ۱۹۳۷ء تک رواں دواں تھا مگر اس کے بعد سے ان کا حال معلوم نہیں کہ وہ سونی پت سے کب اور کہاں منتقل ہو گئے۔

مولوی محمد حسن کا نکاح پھلت میں ہوا، وہ اور ان کی اولاد پھلت میں مقیم رہے ان کے فرزند مولوی احمد حسن بھی صاحب اولاد تھے، اخلاف شاہ کی یہ شاخ بھی ثمر و بار آور رہی اور اب تک شاداب و پر بہار ہے، مولوی احمد حسن کے پوتے پر پوتے ۱۹۳۷ء کے بعد پاکستان چلے گئے تھے اور راول پنڈی میں مقیم ہیں (۱۰۵)۔ راقم سطور کی معلومات کے مطابق مولوی احمد حسن کے اخلاف خاندان شاہ وجیہ الدین کی واحد شاخ ہے جو اس وقت تک موجود ہے اور اس کا سلسلہ نسب بیٹوں کے ذریعہ شاہ صاحب سے منسلک ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر

شاہ عبدالقادر کے سنہ ولادت کا معاصر تحریرات شاہ صاحب کے تلامذہ یا قریب العهد تذکرہ نگاروں نے کوئی ذکر نہیں کیا، غالباً اس ضمن میں اولین اطلاع سید احمد ولی اللہی کا یہ قول ہے کہ: ”آپ ۱۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے“ (۱۰۶) متأخر تمام تذکرہ نگار اسی روایت کے

ناقل ہیں۔ اوپر گزر گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت شاہ عبدالقادر کی عمر نو سال تھی اور وہ قرآن شریف پڑھ رہے تھے ، تعلیم کی تفصیلات گزر چکی ہیں ۔ شاہ عبدالقادر نے درسیات شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین سے اخذ کیں ، سلوک و معرفت میں خواجہ میر درد سے استفادہ کیا ، (۱۰۷) شاہ عبدالعدل (۱۰۸) سے بیعت ہوئی اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے ۔ (۱۰۹)

شاہ عبدالقادر نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ / ۲۸ جون ۱۸۱۵ء کو بدھ کے دن ظہر کے وقت اس دار فانی سے رحلت کی ، خانوادہ ولی اللہی پر قدیم یادداشت کا بیان ہے :
 ,,وفات شریف حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ ، نوزدھم رجب وقت ظہر روز چہار شنبہ ۱۲۳۰ ھ ,, (۱۱۰)

مولانا محبوب علی جعفری نے بھی متعدد موقعوں پر شاہ صاحب کا سنہ وفات ذکر کیا ہے ، ایک جگہ لکھتے ہیں :
 ,,والشیخ عبدالقادر مات فی التاسع عشر من رجب سنة ثلاثین و مائین والف ,, (۱۱۱) (۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ)

,,آفتاب دیں برفت,, سے سنہ وفات برآمد ہوتا ہے (۱۱۲) بعض اور فقرات تاریخ بھی نقل کئے گئے ہیں مگر ان کے اعداد سنہ وفات سے مطابقت نہیں کرتے ۔ شاہ عبدالقادر کے سنہ وفات کی چند اور روایتیں بھی نقل کی جاتی ہیں ، جناب غلام رسول مہر نے ۱۲۲۸ھ سنہ وفات لکھا ہے (۱۱۳) ۔ مفتی غلام سرور لاہوری اور مولوی ابو یحیی امام خان نے ۱۲۳۲ھ بیان کیا ہے ، (۱۱۳) اور مولوی ابو یحیی کی ایک اور تحریر سے اگر وہ سہو کتابت نہیں ۱۲۳۳ھ معلوم ہوتا ہے ، (۱۱۵) لیکن مستند معاصر تحریرات و مآخذ کی موجودگی میں ان روایات کی چنداں اہمیت نہیں ۔

ازدواج و نکاح

شاہ عبدالقادر کی اہلیہ محترمہ کا نام معلوم نہیں ہوا ، شاہ صاحب کی واحد اولاد ایک صاحبزادی زینب یا زینت تھیں جو شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے مولوی محمد مصطفیٰ تحیر سے منسوب ہوئیں ، (۱۱۶) ان کی بیٹی جمیلہ شاہ محمد اسمعیل شہید کے نکاح میں آئیں - (۱۱۷)

حضرت شاہ عبدالغنی

معروف روایات کے مطابق ۱۱۷۱ھ / ۵۸ - ۱۲۵۷ء میں پیدا ہوئے ، حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت پانچ سال عمر تھی ، اگرچہ درسیات کی تمام کتابیں بھائیوں سے پڑھیں مگر حدیث مسلسل بالاولیہ کی اجازت اور سند خود حضرت شاہ ولی اللہ سے حاصل کی تھی ، (۱۱۷ ب) حضرت مفتی الہی بخش کاندھلوی نے جو شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے رفیق و ہم سبق تھے شاہ عبدالغنی سے مسلسل بالاولیہ کی اجازت حاصل کی ، مفتی صاحب کی بیاض میں یادداشت تحریر ہے :-

حدیث مسلسل بالاولیہ : وهو اول ما سمعته من الحديث ، حدثنا الشيخ عبدالغنی رحمہ اللہ عن ابيه الشاہ ولی اللہ المحدث وهو اول ما سمعہ منہ ، وهو یروی (عن) السيد عمر بن بنت الشيخ عبد اللہ البصری المکی ، (۱۱۸)

مفتی الہی بخش کے ذریعہ اس سلسلہ سند کا فیضان عام ہوا ، مفتی صاحب سے مولانا محمد حسن رامپوری کو اجازت و سند ملی ، مولانا محمد حسن سے مولانا شیخ محمد تھانوی کو پہنچی - مولانا شیخ محمد نے لکھا ہے :-

،،الحديث المسلسل بالاولیہ من الاساتذہ رحمہم اللہ هو اول حدیث سمعته من افضل الزمن الفاضل الكامل شیخنا و استاذنا

مولانا محمد حسن انصاری رامپوری ، وهو اول ماسمعه من
شیخه الفاضل البارع الكامل الداعی الی طریق رب العرش
مولانا مفتی الہی بخش الجہنجنہانوی ثم الکاندھلوی ، قال
حدثنی الشیخ عبدالغنی ولد المحدث الدھلوی الحافظ الحاکم
مولانا احمد المعروف بشاہ ولی اللہ - الخ « (۱۱۹)

شاہ عبدالغنی کا سنہ وفات

شاہ عبدالغنی جو اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے ، سب سے
کم عمر پائی نوجوانی میں تینتیس سال کی عمر میں وفات پا گئے تھے ،
شاہ صاحبان کی قریب العہد تحریرات شاہ عبدالغنی کے سنہ وفات
کے تذکرہ سے خاموش ہیں ، خانوادہ ولی اللہی ہر قدیم یادداشت میں
شاہ عبدالغنی کے مدفن کا ذکر ہے مگر اس میں بھی تاریخ درج نہیں
تاریخ وفات ایشاں کے بعد بیاض چھوٹی ہوئی ہے ، (۱۲۰) اور مولانا
جعفری نے بھی جو شاہ اسمعیل شہید کے رفیق سبق تھے شاہ
عبدالغنی کا سنہ وفات ذکر نہیں کیا ، یہ کہہ کر گزر گئے کہ ، وہ
اپنی والدہ ماجدہ اور بھائیوں کی زندگی میں انتقال کر گئے تھے « (۱۲۱)
تاریخ الائمہ کی تالیف کے بعد ایک طویل عرصہ تک کسی مورخ و
تذکرہ نگار نے ان کے سنہ وفات کا ذکر نہیں کیا نہ ان کے لوح مزار پر
سنہ وفات کندہ ہوا -

مولوی شاہ محمد اکبر ابو العلانی دانا پوری رجب ۱۳۱۱ ھ
جنوری ۱۸۹۳ء میں دہلی گئے تھے اسوقت قبرستان مہندیاں میں
خاندان شاہ ولی اللہ کے جن مزارات پر کتبات نصب تھے ان میں شاہ
عبدالغنی کا نام شامل نہیں ، (۱۲۲) مولوی دانا پوری کے سفر کے ایک
سال بعد رجب ۱۳۱۲ ھ / جنوری ۱۸۹۵ء میں مولانا عبدالحنی
حسنی مولف نزہۃ الخواطر مہندیاں پہنچے ، مولانا حسنی نے بھی ان
بزرگوں کے مزارات پر تحریر (کتبہ) ہونے کی اطلاع دی ہے (۱۲۳) مگر

اس فہرست میں بھی شاہ عبدالغنی کے لوح مزار کا ذکر نہیں ،
اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک شاہ عبدالغنی کا سنہ وفات
نامعلوم تھا ورنہ ممکن نہیں تھا، کہ دوسرے بزرگوں کے ساتھ ان کے
مزار پر کتبہ نصب نہ کیا جاتا ۔

شاہ عبدالغنی کے سنہ وفات کی روایات میں سب سے پہلی
اطلاع سید احمد ولی اللہی کا یہ قول ہے کہ :-

،، ۱۲۲۰ھ میں ۵۷ برس کی عمر میں وفات پائی ، اور شاہ
عبدالقادر کے متصل مدفون ہوئے ،، (۱۲۳)

اکثر تذکرہ نگاروں نے اسی پر اعتماد کیا ہے (۱۲۳ ب) مگر یہ
روایت پایہ اعتبار سے ساقط اور خلاف تحقیق ہے کیونکہ خود ولی
اللہی چند ہی سطر پہلے شاہ عبد القادر کا سنہ وفات ۱۲۳۰ھ
لکھ چکے ہیں (۱۲۵)۔ لہذا یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ شاہ
عبدالغنی ، شاہ عبدالقادر کی وفات سے تین سال پیشتر ان کے متصل
دفن کئے گئے ہوں ؟ دستیاب شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ
کی وفات (۱۱۷۶ھ) کے بعد ان کے صاحبزادگان میں سے سب سے
پہلے سب سے چھوٹے فرزند شاہ عبدالغنی کی رحلت ہوئی ، دلائل و
شواہد کی روشنی میں شاہ عبدالغنی کی صحیح تاریخ وفات میں
اختلاف ہو سکتا ہے مگر سید احمد ولی اللہی کا مذکورہ بالا قول کہ
انکی وفات ۱۲۲۰ھ میں ہوئی کسی طرح قابل قبول اور لائق
اعتماد نہیں ، کیونکہ خانوادہ ولی اللہی کے قدیم و جدید تقریباً تمام
تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ جس وقت شاہ عبدالغنی کی
وفات ہوئی تو ان کے بیٹے شاہ محمد اسمعیل کم سن تھے ، والد کی
وفات کے بعد چچا یعنی حضرت شاہ عبدالقادر نے شاہ اسمعیل کی
پرورش اور تعلیم و تربیت کی ، اس سلسلہ کی غالباً سب سے پہلی
اطلاع مولانا محبوب علی جعفری کا (جو شاہ اسمعیل کے بچپن سے

ہم جولی اور ہم سبق تھے) یہ بیان ہے کہ :-
 ،،و (للشیخ عبدالغنی) ابن اسمہ اسمعیل و بنتین رقیہ و ام کلثوم
 و وصی بہم اخاہ عبدالقادر فرباہم کا ولادہ ،، (۱۲۶)

اگر شاہ عبدالغنی کی وفات ۱۲۲۷ھ میں ہوئی ہوتی تو اس وقت اس وصیت کی ضرورت تھی نہ موقع ، کیونکہ تذکرہ نگاروں کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ شاہ اسمعیل ۱۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے (۱۲۷)، گویا ۱۲۲۷ھ میں ان کی عمر چونتیس سال تھی، اور وہ اس وقت درس و تدریس اور وعظ و تذکیر کے ذریعہ اپنی ذہانت و ذکاوت ، حسن تقریر اور خوش نوائی کا جادو جگاتے ہوئے تھے ، اور ان کی شہرت و قابلیت کا چرچا دور دور تک پھیل چکا تھا ، لہذا معلوم ہوا کہ ولی اللہی کی شاہ عبدالغنی کے سنہ وفات کے متعلق اطلاع کمزور اور بے اصل ہے۔ اور یہ روایت اس لئے بھی قرین صحت نہیں کہ مولانا جعفری نے جو شاہ صاحبان کی خدمت میں ہر وقت حاضر باش اور شاہ عبدالقادر کے خاص ارادت مند تھے ۱۲۲۷ھ میں دہلی میں مقیم تھے ، اور مولانا جعفری نے اس سال کے بعض وقائع کا ذکر کیا ہے اور ایک موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا اسمعیل شہید ۱۲۲۷ھ میں حضرت سید احمد شہید سے بیعت ہوئے ، (۱۲۸) اگر شاہ عبدالغنی کی وفات ۱۲۲۷ھ میں ہوئی ہوتی تو مولانا جعفری اس سے ہرگز ناواقف نہ ہوتے ، اور اپنی کتاب میں اس کا ذکر ضرور کرتے ، مولانا جعفری کے تذکرہ نہ کرنے سے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ شاہ عبدالغنی کی وفات کا واقعہ مولانا جعفری کی شاہ عبدالعزیز اور ان کے برادران کی خدمت میں حاضری سے بہت پہلے کا ہے ، کم از کم اس وقت کا نہیں ہے جو سید احمد ولی اللہی بیان کرتے ہیں ۔
 ولی اللہی کے بیان کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ وہ گویا یادگار دہلی کی تالیف کے زمانہ میں اپنی ایک اور کتاب احوال و

کمالات عزیزی میں یہ لکھ چکے تھے کہ شاہ عبدالغنی کا حال اچھی طرح معلوم نہیں ، (۱۲۹) اور ساتھ ہی یادگار دہلی میں تفصیلات بھی درج کر رہے ہیں۔ ایسا انداز ہے کہ اس اطلاع کے لئے خود ولی اللہی کے پاس بھی کوئی قابل اعتماد بنیاد نہیں تھی ، اور یہی وجہ ہے کہ حیات ولی کے مولف رحیم بخش نے شاہ عبدالغنی کے تذکرہ میں یہ الفاظ لکھے :

”مجھے افسوس ہے کہ جناب شاہ عبدالغنی کے حالات زندگی کسی ایسے وسیلے سے دستیاب نہیں ہوئے جنہیں میں بے کم و کاست یقین کر سکتا ، یہی وجہ ہے کہ میں ان واقعات کو بالکل قلم انداز کرتا ہوں۔“

حالانکہ مولوی رحیم بخش دہلی میں سید احمد ولی اللہ کے پڑوس میں رہتے تھے ، وہ ولی اللہی اور ان کی تصنیفات سے ناواقف نہ ہونگے، اس تعارف کے باوجود اس قسم کے الفاظ کا لکھنا بتا رہا ہے کہ مولف حیات ولی کو اس سلسلہ میں ولی اللہی کے بیانات و روایات پر اعتماد نہیں تھا۔

شاہ عبدالغنی کے سنہ وفات کی ایک اور روایت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا یہ قول ہے کہ :-

”شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ ۲۸ برس کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔“ (۱۳۰)

یعنی تقریباً ۱۱۹۸ھ / ۸۳ - ۱۸۸۳ء میں۔ ممکن ہے یہ روایت صحیح ہو مگر کسی اور ذریعہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

شاہ صاحب کے سنہ وفات کی تیسری روایت جناب غلام رسول مہر (۱۳۱) اور مولانا نسیم احمد فریدی (۱۳۲) کا یہ انکشاف ہے کہ شاہ صاحب کی ۱۶ - رجب ۱۲۰۳ھ - ۱۲ اپریل ۱۸۸۹ء کو رحلت

ہوئی ، مہر صاحب کا مآخذ ہمیں معلوم نہیں ، مگر مولانا فریدی نے یہ اطلاع ایک پرانی تحریر سے اخذ کی ہے جو مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے نجی ذخیرہ نوادر میں محفوظ ہے ۔ تاہم یہ عنوان مزید تحقیق و جستجو کا منتظر ہے ، مگر فیصلہ کن مآخذ کی دریافت تک اسی موخر الزکر روایت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ۔

ازادواج و نکاح

مولوی علاء الدین پھلتی کی دختر بی بی فضیلت شاہ عبدالغنی سے منسوب ہوئی ، دو لڑکیاں رقیہ اور ام کلثوم ، اور ایک بے اقبال و فخر روزگار فرزند حضرت شاہ محمد اسمعیل شہید جسمانی یادگار تھے ۔ شاہ محمد اسمعیل کا مولوی محمد مصطفیٰ کی دختر جمیلہ سے نکاح ہوا جو شاہ عبدالقادر کی نواسی تھیں ۔ ایک فرزند مولوی محمد عمر تھے جو ۱۲۶۸ ھ میں لاولد فوت ہوئے ۔

حوالے اور توضیحات

- ۱۔ شاہ ولی اللہ، مقدمہ مصفی شرح مؤطا ص ۱۷ ج ۱ (بیروت : ۱۴۰۲ھ) نیز دیکھئے الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۲ (مطبع احمد دہلی : ۱۴۱۱ھ)۔
- ۲۔ الامداد فی مائر الاجداد۔ غالباً حضرت شاہ ولی اللہ کے سفر حج سے پہلے مرتب ہوئی۔ انفاس العارفین میں شامل ہے، مگر اس رسالہ کو ایک تاریخی دستاویز کے بجائے خاندانی روایات و یادداشت کے طور پر دیکھنا چاہیئے۔ انفاس العارفین میں شامل اور علیحدہ بھی متعدد خطی نسخے دستیاب ہیں، کئی بار شائع ہو چکا ہے صحیح ترین نسخہ مطبع احمدی دہلی کا وہ ایڈیشن ہے جو شاہ ولی اللہ کے رسائل کے مجموعہ میں شامل ہے اور انفاس العارفین مطبوعہ مجتہائی دہلی ۱۳۳۵ھ کثیر الغلط ہے۔ الامداد کے متعدد ترجمہ بھی ہوتے ہیں راقم سطور کی معلومات میں ایوب قادری صاحب کا ترجمہ سب سے بہتر ہے مگر تعجب ہیکہ قادری صاحب نے مجتہائی نسخہ کو اساس بنایا ہے۔ راقم سطور نے الامداد کے متعدد نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔
- ۳۔ الامداد فی مائر الاجداد (مشمولہ رسائل خمسہ شاہ ولی اللہ) (احمدی دہلی : بلا سنہ)۔ نیز دیکھئے الامداد مشمولہ انفاس العارفین ص ۱۵۲ (احمدی دہلی : بلا سنہ)۔ خاندان ولی اللہی کا یہی نسب نامہ مرآۃ الانساب میں بھی شامل ہے مگر اس میں کئی غلطیاں ہو گئی ہیں۔ ماہان کی جگہ ہامان لکھا ہے۔ محمد شہر یار بن عثمان کو محمد بن شہر یار بن عثمان دکھایا ہے، اس ترتیب سے ایک واسطہ زیادہ ہو گیا ہے۔ اور عمر حاکم ملک، اور فاروق کے درمیان عادل ملک کا واسطہ ترک ہوا۔ اس طرح یہ نسب نامہ مشکوک ہو گیا ہے۔ دیکھئے مرآۃ الانساب، تالیف ضیاء الدین علوی ص ۳۸-۳۹ (جے پور : ۱۳۳۵ھ)۔
- ۴۔ الامداد فی مائر الاجداد۔ مشمولہ انفاس العارفین (مجتہائی دہلی : ۱۳۳۵ھ)۔
- ۵۔ الامداد مشمولہ انفاس العارفین۔ مکتوبہ سنہ ۱۲۳۹ھ ص ۱۲۲ (مخزومہ دار العلوم، دیوبند)۔
- ۶۔ دیکھئے تاریخ الاتمہ فی ذکر خلفاء الامہ مولانا سید محبوب علی جعفری دہلوی۔ نسخہ مؤلف مکتوبہ و مؤلفہ سنہ ۱۲۵۱ھ (مخزومہ ہمدرد اسلامک انسٹی ٹیوٹ دہلی۔ فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور) ص ۵۸۹ ص ۶۰۷ صفحات کی یہ ترتیب ہمارے نسخہ کے مطابق ہے۔
- ۷۔ جناب محمود احمد عباسی نے اس نسب نامہ کو چوں کا توں نقل کر دیا ہے۔ تحقیق الانساب حاشیہ ص ۲۸۳ (دہلی : ۱۹۵۲ء)۔
- ۸۔ ابن حزم ظاہری، جمہرۃ انساب، ص ۱۵۳ (بیروت : ۱۴۰۳ھ)۔
- ۹۔ مولانا جعفری کا بیان ہے کہ شاہ عبدالرحیم سے منسوب ایک خط میں بھی نسب نامہ کے آخری وسائط اسی طرح لکھے ہیں جس طرح الامداد میں ہیں۔ تاریخ الاتمہ فی ذکر خلفاء الامہ۔

- ۱۰۔ شاہ ولی اللہ، امداد مشمولہ رسائل خمسہ ص ۲
- ۱۱۔ شروانی، عبدالشہاد، باغی ہندوستان - ص ۶۶ (لاہور: ۱۹۷۸ء) - نیز دیکھئے:
- العلامة فضل حق خیر آبادی حیاتیہ و مآثر مع تحقیق کتابہ التورۃ الہندیہ - ڈاکٹر قمر النساء
- ص ۲۲ - ۲۳ (لاہور: ۱۹۸۶ء) - لیکن مولوی عبدالشہاد کی اکثر اطلاعات زبانی روایات پر مبنی ہیں، ان کی تاریخی استنادی حیثیت خاصی مشتبہ ہے۔ ضرورت ہے کہ ان تمام روایات کا مفصل تنقیدی جائزہ لے کر خانوادہ خطیر الملک اور خاندان شیر ملک کے باہمی رشتوں کی تحقیق و جستجو کی جائے اور دونوں خاندانوں کے اسلاف کی خدمات اور تاریخ کو اور زیادہ واضح اور نمایاں کیا جائے مگر افسوس کہ حضرت علامہ خیر آبادی اور ان کے باکمال اہل خاندان پر اس وقت تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب عبد الشہاد خاں کی صدائے بازگشت، اور باغی ہندوستان کی ناقص معلومات کی تکرار ہے۔ کاش اس خاندان میں ان کے شایان شان کچھ کام ہوا ہوتا۔
- ۱۲۔ مولانا سید محبوب علی بن مصاحب علی جعفری دہلوی - ریوازی (میوات) کے قدیم باشندے اور سادات کے اس قدیم خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کا سلسلہ روابط میوات سے دہلی اور سونی پت تک پھیلا ہوا تھا - ۲۷ محرم سن ۱۲۰۱ کو تولد ہوئے (تاریخ الاثمہ ص ۷۳) شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے تعلیم حاصل کی - شاہ محمد اسماعیل شہید کے رفیق و ہم سبق تھے - سلوک و معرفت میں شاہ عبدالقادر سے استفادہ کیا شاہ عبدالعزیز سے اجازت و خلافت پائی، اولاً سید احمد شہید کے پر جوش معاون تھے جہاد میں شرکت کے لئے شعبان ۱۲۳۲ھ صوبہ سرحد کے لئے روانہ ہوئے، وہاں قیام کا کچھ زیادہ موقع نہیں ملا تھا کہ بعض مسائل پر سید احمد شہید سے اختلاف ہوا اور شروع سنہ ۱۲۳۳ میں دہلی واپس آ گئے - اختلاف کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس کی بنیاد ذاتی وجوہات نہیں - مولانا جعفری کے خلاف مزاج بعض واقعات کی وجہ سے اس میں تیزی آئی اور یہی واپسی کا سبب ہوئی، اگرچہ مولانا نے دہلی آکر جہاد کی برملا مخالفت کی مگر شاہ اسماعیل شہید کی دعوت اصلاح و تجدید اور رد بدعات کے آخر وقت تک مناد و مبلغ رہے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھیں، تقویۃ الایمان کا حاشیہ تصنیف کیا، مولانا شہید پر کئے گئے اعتراضات کے جواب دینے اور تفسیر و فقہ کے موضوعات پر متعدد تصنیفات یادگار چھوڑیں -
- مولانا کا سب سے اہم متہم بالشان کارنامہ تاریخ الاثمہ فی ذکر خلفاء الامہ کی تالیف و تدوین ہے اس کتاب میں پہلی صدی ہجری سے مصنف کے زمانہ تک کے علماء، صلحاء اور سلاطین کے مختصر حالات قلم بند کئے گئے ہیں، خاندان شاہ ولی اللہ کے متعلق بعض نادر معلومات، اور انساب کے بعض مباحث اس کتاب کا خاص حصہ ہیں - یہ کتاب عربی میں نو سو پتیس صفحات پر مشتمل ہے رمضان سنہ ۱۲۵۱ جنوری ۱۸۳۶ء میں اس کی تصنیف و کتابت مکمل ہوئی اور اس کا واحد معلوم نسخہ جو مولف کے قلم سے ہے ہمدرد اسلامک انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کے مجبھی شہر کلکشن میں محفوظ ہے اور اس کا مکمل فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں شامل ہے - مولانا جعفری کی دس ذی الحجۃ سنہ ۱۲۸۰ھ - ۱۷ مئی سنہ ۱۸۶۳ء کو دہلی میں وفات ہوئی - یادگار دہلی سید احمد ولی اللہی ص ۹۲ اور نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحی حسنی رائے بریلوی ص ۳۰۶، ج ۱ (حیدر آباد: ۱۳۷۸ھ) میں مولانا کا مختصر تذکرہ ملتا ہے -

۱۳۔ میر محبوب علی جعفری دہلوی، تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۶۰۸۔ فاروقیان خیر آباد میں معروف اس روایت سے مولانا جعفری کی تائید ہوتی ہے کہ،، خطیر الملک بلخی از بلخ بہ بدایوں تشریف آوردند (مستفاد از مکتوب مولانا نجم الحسن خیر آبادی، بنام راقم سطور محررہ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۶ء)

۱۴۔ شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابلی کے لئے جو فاروقیان ہند کے ایک وسیع اور لائق احترام سلسلہ کے جد اعلیٰ ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ کابل میں سریر آرائی حکومت تھے۔ مگر بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی:،، تاریخ اس فرخ شاہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی لہذا اس کا مقام اور حیثیت ایک افسانہ بن کر رہ گیا ہے،، احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر۔ ترجمہ قاضی محمد حفیظ اللہ ص ۴۳ (لاہور: ۱۳۰۳ھ)

۱۵۔ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۶۰۸
۱۶۔ آقائی عبداللہ حبیبی، افغانستان بعد از اسلام۔ جلد اول (کابل: ۱۳۳۵ھ) آقائی حبیبی نے لکھا ہے: والی سیستان و خراسان و ہرات از دربار ہارون، در سنہ ۱۸۰ھ، ص ۳۱۳ ج ۱۔ نیز،، کہتے ہیں،، سکھ ہم دارد ص ۳۱۳۔

۱۷۔ مثلاً: ابراہیم بن ہامان بن بھمن بن نسک (م سنہ ۱۸۸ھ) یعقوب سیرافی ابن ماہان۔ ابو محمد عبداللہ بن حامد بن محمد ماہان اجمہانی (م سنہ ۳۸۹)۔ ابو الحسن محمد بن حسین بن محمد بن ماہیان (م ۲۳۳ھ)۔ نیز ابو جعفر عیسیٰ بن ماہان رازی م ۱۶۰ھ۔ ان کا بیٹا علی (م سنہ ۱۹۵ھ) اور پوتا حسین (م ۱۹۶ھ) سب ابن ماہان کی کنیت سے متعارف ہیں، ان کے علاوہ بھی متعدد مشاہیر اسی کنیت سے مشہور ہیں۔

۱۸۔،، هذه النسبة الى ماہان وهم اسم لبعض اجداد المنتسب اليه وهم جماعة،،۔ الانساب، سمعانی ص ۶۱، ج ۱۲ (حیدرآباد: ۱۳۰۱ھ)

۱۹۔ الامداد فی مائر الاجداد (مشمولہ رسائل خمسہ) ص ۲
۲۰۔،، امراء کے طبقوں میں خان کا مرتبہ سب سے زیادہ، اس سے کم ملک، اور اس سے کم امیر کا سمجھا جاتا تھا۔ صاحب مسالک البصار کی تحقیق کے مطابق خان کو زیادہ سے زیادہ نو جھنڈے اور امیر کو کم از کم تین جھنڈے ساتھ رکھنے کا حق تھا، فوج کی تقسیم میں امیر کے تحت سو سوار ہوتے تھے ملک کے تحت ایک ہزار اور خان کے تحت دس ہزار، تاریخ فیروز شاہی برنی اردو ترجمہ ڈاکٹر معین الحق حاشیہ ص ۷۲ و ص ۱۱۲ (لاہور: ۱۹۸۳ء)

۲۱۔ الامداد ص ۲

۲۲۔ مولوی رضی الدین بسمل بدایونی، کنز التاریخ (تاریخ بدایوں)۔ ص ۵۳
مگر مولوی رضی الدین نے اولیائے بدایوں پر اپنی کتاب تذکرۃ الواصلین (بدایوں: ۱۹۳۵ء) میں شیخ حسام الدین کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا۔

۲۳۔ اگرچہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں بدایوں میں حسام الدین نامی دو اور شخصوں کا ذکر ملتا ہے: شیخ جمال حسام الدین ملتانی متوفی سن ۶۸۷ھ۔ ۱۲۸۸ھ۔ سیر العارفین شیخ جمال ترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۱۹۳ (لاہور: ۱۹۷۶ء)۔ اور ضیاء الدین برنی کے نانا حسام الدین جو بدایوں میں مقیم رہے،، اور برنی (ولادت تقریباً ۶۸۳ھ) کے سن شعور تک حیات رہے، برنی ان کے حوالہ سے بعض روایات نقل کرتا ہے، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی تعمیر کا عہد ان لوگوں سے پہلے کا ہے اس لئے کم سے کم یہ دونوں اس مسجد کے بانی نہیں ہو سکتے۔

- ۲۳۔ محمد قاسم، ہندوستان فرشتہ، تاریخ فرشتہ۔ اردو ترجمہ ص ۹۷، ج ۱ (نولکشور لکھنؤ: ۱۹۳۳ء)۔
- ۲۵۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مقالات۔ ص ۳۰-۳۱ (دہلی: ۱۳۸۵ھ)۔
- ۲۶۔ الامداد فی مائر الاجداد، ص ۲۔
- ۲۷۔ پروفیسر منظور الحق صدیقی، ہادی ہریانہ (احوال و سوانح شاہ محمد رمضان مہدی)، ص ۱۰، (لاہور: ۱۹۶۳ء)۔
- ۲۸۔ الامداد، ص ۲۔
- ۲۹۔ یہ یادداشت خانوادہ ولی اللہی کے متعلق قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور سنہ ۱۲۳۰-۱۲۳۳ھ کے درمیان کسی وقت مرتب ہوئی۔ اگرچہ اس کے مرتب کا نام معلوم نہیں مگر وہ اس خاندان سے وابستہ یا اس کے قریب ترین واقفین میں سے ہے۔ اس یادداشت کے دو نسخے راقم سطور کی نظر سے گزرے ہیں۔ ایک کتب خانہ مظاہر علوم سہارن پور میں، اور ایک ہمدرد انسٹی ٹیوٹ لاہور میں۔ اول الذکر نسخہ مجموعہ فتاویٰ و تحریرات حضرت شاہ عبدالعزیز وغیرہ اخلاف شاہ ولی اللہ - مرتبہ کریم اللہ بن خلیل اللہ دار - مولفہ سنہ ۱۲۳۰ھ میں شامل ہے۔ زیر تعارف نسخہ فلسفیکپ سائز کے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور میرا خیال ہے کہ خود مولف کے قلم سے ہے۔ اس کتاب کے بعض مشتملات کا فوٹو اسٹیٹ جس میں مذکورہ یادداشت بھی شامل ہے ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ نسخہ ثانی مجموعہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز - مکتوبہ مولانا محمد مجبلی شہری (م سنہ ۱۳۲۰ھ) میں شامل ہے۔ ورق ۳۷-۳۸۔ زیر نظر صفحات ترتیب میں اول الذکر نسخہ سے استفادہ ہوا ہے اور صفحات کی ترتیب مخطوطہ کے صفحات کی مسلسل ترتیب کے مطابق ہے۔
- ۳۰۔ تاریخ الاتمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۸۹۔
- ۳۱۔ واقعات دار الحکومت دہلی - مولوی بشیر الدین احمد ص ۳۲۳ ج ۳ - (آگرہ: ۱۳۳۷ھ)۔
- مولوی بشیر الدین احمد نے جلال تبریزی نامی جس بزرگ کا ذکر کیا ہے وہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ شیخ جلال تبریزی کے علاوہ کوئی گمنام بزرگ تھے، موخر الذکر اگرچہ دہلی اور ہدایوں میں قیام فرما رہے مگر ان کی وفات کامروپ (آسام) میں ہوئی۔ ابن بطوطہ اپنے سفر کے دوران کامروپ میں ان سے ملا تھا۔ سفر نامہ ابن بطوطہ مع حواشی و تعلیقات خان بہادر محمد حسین ص ۳۸۳ ص ۳۸۶ (اسلام آباد: ۱۹۸۳ء)۔
- ۳۲۔ احمد علی خیر آبادی کا قول ہے کہ اس جگہ ایک قبر مولانا علاء الدین کرمانی سرسوی کی ہے۔ قصر عارفان، مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر ص ۳۸۶ اورینٹل کالج میگزین - لاہور ۶۶ - ۱۹۶۵ء۔
- ۳۳۔ محمد ادریس خان بریلوی، مہر ولی گانڈ، ص ۲۵۵ (بریلی: بلاسنہ)۔
- ۳۴۔ ہادی ہریانہ، پروفیسر منظور الحق صدیقی ص ۱۹ ص ۲۰ (لاہور: ۱۹۶۳ء)۔ صدیقی صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کا خاندان آخری دور میں رھتک میں بھوانی بس آئے تھے پاس گلی مسجد عاشق الہی میں رہا کرتا تھا۔
- ۳۵۔ تاریخ الاتمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۸۸۔
- ۳۶۔ الامداد فی مائر الاجداد ص ۲ - ۳۔
- ۳۷۔ تاریخ الاتمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۸۹۔
- ۳۸۔ ترجمہ الامداد فی مائر الاجداد بحواشی و توضیحات پروفیسر محمد ایوب قادری ماہنامہ الرحیم - حیدر آباد سندھ ص ۱۵ (جون: ۱۹۶۷ء)۔

۳۹۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی ، الجزء اللطیف بحوالہ مرقاة الیقین فی حیاة نور الدین ، ص ۸۰۔
شمولہ الانفاس العارفین ، ص ۲۰۲ ، (مجتبائی : ۱۳۳۵ھ)

۳۰۔ شاہ عبدالرحمن خلف شاہ محمد عاشق پھلتی، مرتبہ مجموعہ مکتوب شاہ ولی اللہ۔ مکتوب نمبر ۱۶۷۔ مخزنہ کتب خانہ دارالعلوم ، دیوبند ، (فوٹو اسٹیٹ کاہی مملوکہ راقم سطور)۔ یہ مجموعہ مکتوبات دو جلدوں میں ہے جلد اول شاہ عبدالرحمن کی مرتبہ و مولفہ ہے جلد دوم شاہ محمد عاشق کی تالیف ہے جلد اول دو سو اکیاسی مکتوبات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد میں ستر خطوط آئے ہیں۔

۳۱۔ حکیم محمود احمد صاحب برکاتی نے لکھا ہے : .. شیخ عبید اللہ کی ایک صاحبزادی فاطمہ اور ایک صاحبزادہ شاہ محمد عاشق تھے۔ فاطمہ سے شاہ ولی اللہ کی شادی ہوئی اور ان سے صرف ایک صاحبزادہ شیخ محمد پیدا ہوا .. شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۲۰ (لاہور : ۱۹۷۶ء) مگر یہ اطلاع درست نہیں ، صحیح یہ ہے کہ شاہ صاحب کی زوجہ اولی کا نام امت الرحیم، اور ایک صاحبزادی کا نام فاطمہ تھا۔ منشی فرحت اللہ پھلتی نے بھی یہی لکھا ہے اور اہل پھلت کے قلمی نسب ناموں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی جزوی تصدیق خود شاہ صاحب کے مکتوبات سے ہو رہی ہے۔

۳۲۔ یہ خاندان سادات حسینی کی ایک شاخ، اور سید ناصر الدین سونی پتی کی اولاد میں ہے ، مگر خود سید ناصر الدین کا عہد اور ان کے حضرت حسین کے درمیان واسطے معلوم نہیں۔ احمد علی خیر آبادی نے سید ناصر الدین کے متعلق ایک طویل داستان لکھی ہے اور ان کو حضرت باقر بن زین العابدین کا بلا واسطہ فرزند قرار دیا ہے اور ان کا سنہ وفات سنہ ۱۳۶ھ لکھا ہے۔ قصر عارفان ص ۲۷۹ تا ۲۹۲۔ نیز دیکھئے میخانہ درد ، سید ناصر نذیر فراق دھلوی ص ۲۱۳ تا ۲۲۵ (دہلی : ۱۳۳۳ھ) مگر خیر آبادی کی یہ روایت مسلمہ تاریخی شہادتوں اور اہل سیر کی تصریحات کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو : تاریخ دعوت و عزیمت ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۱۰۶-۱۰۷ ، (لکھنؤ : ۱۳۰۴ھ)

۳۳۔ خاندان شیر ملک ، اور سادات سونی پت نکاح و ازدواج کے سلسلہ سے مربوط تھے ، ان کی ابتداء کب ہوئی صحیح معلوم نہیں مگر دسویں صدی ہجری میں شیخ احمد بن محمود کا شاہ عبدالغنی سونی پتی کی دختر سے نکاح ہوا اور اس کے بعد خاندان ولی اللہی کے آخری معلوم عہد تک دونوں خاندانوں میں قرابت اور ازدواج و نکاح کے روابط تھے۔

۳۴ (الف) شاہ صاحب نے تفہیمات الہیہ میں شاہ نور اللہ کو ایک ضرورت سے سونی پت بھیجنے کا ذکر کیا ہے ص ۱۵۲ ج ۲ (بجنور ۱۳۵۵ھ) ممکن ہے اس معاملہ سے اسی رشتہ کی سلسلہ جنبانی مراد ہو۔

۳۴ (ب)۔ عبدالرحیم ضیا نے مقالات طریقت میں (مضمون جناب عضد الدین خان۔ الفرقان لکھنؤ ص ۱۶ رجب ۱۹۸۵ء) اور مولانا عبدالغنی حسینی نے سید احمد ولی اللہی کے حوالہ سے بی بی ارادت کے والد ماجد کا نام سید ثناء اللہ لکھا ہے دلی اور اس کے اطراف ص ۶۸ (دہلی : ۱۹۵۸ء) مگر یہ روایات صحیح نہیں۔ خانوادہ ولی اللہی ص ۶۸ پر قدیم یادداشت میں شاہ صاحب کی زوجہ ثانیہ کو دختر سید حامد لکھا ہے اور سید احمد ولی اللہی نے بھی بقول حکیم محمود احمد صاحب برکاتی (شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۱۳۹) یہی لکھا ہے۔

۳۵۔ شاہ ولی اللہ نے شاہ عبدالرحیم کے حوالہ سے شرح جامی کی ایک بحث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے .. و بشیخ حامد تقریر کردم، انفاس العارفین ص ۳۰ (مجتبائی)

۳۶۔ شاہ فخر العالم صاحب علم و ارشاد بزرگ تھے، انھوں نے اپنے والد ماجد کے مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، حضرت شاہ ولی اللہ نے شوارق المعرفہ میں شاہ ابو الرضا محمد کے جو مکتوبات نقل کئے ہیں وہ اسی مجموعہ سے ماخوذ ہیں اس مجموعہ مکتوبات کا واحد معلوم نسخہ شاہ محمد عاشق کے موئے قلم کی یادگار ہے اور اس کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

۳۷۔ حکیم محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص ۱۲۶، ص ۱۳۶۔

۳۸۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۰۹ (میرٹھ: ۱۳۱۳ھ) سید احمد ولی اللہی نے ملفوظات شاہ عبدالعزیز احمد خانوادہ ولی اللہی سے منسوب بعض تصنیفات کو جعلی قرار دیا ہے۔ (انفاس العارفین مطبع احمدی دہلی)، گزشتہ چند سال کے ولی اللہی کے اس بیان کی خاص شہرت ہوئی، بعض اہل قلم نے اس اشتہادی تحریر کو غیر معمولی اہمیت سے نوازا، اور اس کے حوالہ سے عجیب و غریب انکشافات کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ولی اللہی کی یہ تحریر صرف معاصرانہ رقابت اور تجارتی چشمک پر مبنی ہے اور اس کی کوئی حقیقی علمی بنیاد موجود نہیں۔ تفصیلات ایک مستقل مقالہ کی متقاضی ہیں۔ زیر نظر سطور اس کا محل نہیں۔

۳۹۔ مضمون۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی الفرقان لکھنؤ:

۵۰۔ عبدالرحمن، مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ، مکتوب نمبر ۱۶۷۔

۵۱۔ تاریخ الاثمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۷

۵۲۔ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ۔ مکتوب ۱۶۷

۵۳۔ مکتوب بنام راقم سطور۔ محررہ ۷ صفر سنہ ۱۳۰۷ھ۔ بحوالہ القول الجلی۔ القول الجلی فی

مناقب الولی کا مکمل نسخہ مکتوبہ ۱۲۲۹ھ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ میں موجود ہے اس نسخہ

کے تعارف کے لئے دیکھئے مضمون: جناب ندیم حیدر کاکوروی۔ ماہنامہ قاری دہلی فروری:

۱۹۸۶ء اور ایک ناقص نسخہ خدا بخش لائبریری۔ پٹنہ میں ہے۔ مفصل تعارف کے لئے مطالعہ

کریں۔ مضمون: جناب فضیل احمد قادری، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ (شوال۔ جون ۱۳۰۷ھ۔

۱۹۸۷ء)۔

۵۴۔ تذکرۃ الرشید (سوانح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی) حاشیہ ص ۳۰ ج ۱ (سہارنپور ۱۹۷۷ء)

۵۵۔ مضمون جناب عبد الدین خان۔ الفرقان لکھنؤ ص ۱۶ (رجب ۱۳۸۵ھ)

۵۶۔ مکتوب شاہ ولی اللہ بنام شاہ محمد عاشق۔ بیاض مولانا رشید الدین دہلوی۔ ورق ۹ ب۔

(مخزنہ دار العلوم دیوبند فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور) نیز دیکھئے: حیات ولی، مولوی

رحیم بخش دہلوی ص ۲۹۰ (دہلی: ۱۳۱۹ھ)

۵۷۔ غلام رسول مہر، سید احمد شہید، ص ۱۱۵ ج ۱۔ (لاہور طبع اول بلاسنہ) نیز سیرت

حضرت سید احمد شہید مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۱۵۲ ج ۱ (لکھنؤ: ۱۳۹۷ھ)

۵۸۔ شاہ محمد عاشق، مکتوبات شاہ ولی اللہ حصہ دوم، مکتوب نمبر ۱۲ ورق نمبر ۶ (نسخہ مولف،

مخزنہ دار العلوم دیوبند فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور)۔

۵۹۔ یادداشت، مشمولہ مجموعہ تحریرات و فتاویٰ خانوادہ ولی اللہی۔ ص ۳۷۲

۶۰۔ تاریخ الاثمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۵۱ و ص ۵۹۱

۶۱۔ مکتوب بنام شاہ محمد فائق۔ بیاض مولانا رشید الدین دہلوی۔ ورق ۱۳۔ الف۔

- ۶۲۔ اس رسالہ کا شاہ صاحب کے تذکرہ نگاروں نے ذکر نہیں کیا اس کا ایک نسخہ حبیب کلکشن مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں ، اور ایک ناقص نسخہ شاہ محمد عاشق کے نقل کردہ مجموعہ میں شامل ہے مؤخر الذکر کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ کتب میں شامل ہے۔
- ۶۳۔ عبدالحی حسنی ، نزہۃ الخواطر ، ص ۲۶۷ ، ج ۷
- ۶۴۔ عجالہ نافعہ ص ۲۳ (مطبع مصطفائی لکھنؤ : ۱۲۵۵ھ) نسخہ ذاتی۔
- ۶۵۔ مکتوب مولانا مجتبیٰ حیدر کاکوروی۔ بنام راقم سطور۔ بحوالہ القول الجلی۔
- ۶۶۔ دیکھئے : مکتوب شاہ ابو سعید بنام برادران خمسہ شاہ عبدالعزیز ، و مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام شاہ ابو سعید رائے بریلوی زیر عنوان شاہ ابو سعید حسنی کے روابط شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان سے۔ مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی۔ (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ صفر ۱۲۸۵ھ)۔
- ۶۷۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۱۳۸
- ۶۸۔ سید عبدالحی حسنی ، دہلی اور اس کے اطراف ، ص ۶۸
- ۶۹۔ خانوادہ ولی اللہ کی زیریں شاخیں اور ان کے نسبی سلسلے۔ ماہنامہ برہان دہلی ص ۳۰ (جنوری ۱۹۸۲ء)
- ۷۰۔ نزہۃ الخواطر ص ۳۲۲ ج ۷
- ۷۱۔ بٹھانہ ضلع مظفر نگر (یو پی) کی وسیع اور کشادہ مسجد سن ۱۱۰۸ھ میں تعمیر ہوئی۔ مقامی روایات کے مطابق شاہ نور اللہ اور ان کے اہل خاندان اس کے اطراف میں آباد تھے مگر اب وہاں اس خاندان کا کوئی فرد باقی نہیں۔
- ۷۲۔ مضمون جناب عضد الدین خان (الفرقان : رجب ۱۳۸۵ھ)۔
- ۷۳۔ خانوادہ ولی اللہ کی زیریں شاخیں اور ان کے نسبی سلسلے برہان دہلی ص ۳۰
- ۷۴۔ عاشق الہی ، میرٹھی ، تذکرۃ الرشید ، ص ۳۰ ، ج ۱
- ۷۵۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۰۹
- ۷۶۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۲۷ شاہ صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ کے کلمہ افتتاح میں یہی نام استعمال فرمایا ہے۔
- ۷۷۔ رسالہ صرف فارسی منظوم۔ مخزونہ کتب خانہ مظاہر علوم سہارنپور۔ اس نسخہ پر کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں مگر اس سے ملحق بعض رسائل و تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا کاتب شاہ محمد اسحق کا شاگرد ہے۔
- ۷۸۔ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۸۳۷ نیز دیکھئے خاتمہ الطبع تفسیر عزیزی پارہ تبارک ۲۹ ص ۲۵۹ (کلکتہ ۱۲۳۸ھ)
- ۷۹۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی ، مومن شخصیت اور فن۔ ص ۳۷۷ ، ۳۱۸ ، (دہلی : ۱۹۷۲ء)
- ۸۰۔ بیاض مولانا ابوالحسن حسن کاندھلوی (متوفی سن ۱۲۶۹ھ۔ ۱۸۵۳ھ)۔ ورق ۱۳۳۔ الف۔ یہ قطعہ تاریخ سب سے پہلے غالباً آثار الصنادید میں درج ہوا ، اور اس کے حوالے سے متاخر تذکروں میں نقل ہوتا رہا ، مگر کسی بھی تذکرہ نگار نے مولانا ابوالحسن کا نام نہیں لکھا۔ مولوی ابویحییٰ امام خاں سے اس کی نقل میں ایک دلچسپ غلطی ہوئی ہے دیکھئے تراجم علمائے اہل حدیث ہند ص ۸۵ (لاہور : ۱۳۹۱ھ)
- ۸۱۔ اوراق خود نوشت رنگین ، مملوکہ راقم سطور۔ نیز یہ فقرات تاریخ مجموعہ رنگین میں بھی شامل ہیں۔ دیکھئے : سعادت یار خاں رنگین۔ ڈاکٹر صابر علی خاں ص ۳۳۳ ص ۳۳۵ (کراچی : ۱۹۵۶ء)

- ۸۲۔ یہ کتبات مولوی معجاز علی میرٹھی نے نصب کرائے تھے اور رجب سنہ ۱۳۱۱ھ میں مزارات پر موجود تھے سیر دہلی ص ۳۲ مولوی محمد اکبر ابو الصلانی دانا پوری (آگرہ : ۱۳۱۱ھ) مگر سید احمد ولی اللہی کا قول ہے کہ :۔۔ یہ تمام قبرستان نزول میں آ گیا تھا میں نے سنہ ۱۳۱۳ھ میں اس کی مرمت اور حد بندی کرائی ۔۔ یادگار دہلی ص ۱۰۵۔
- ۸۳۔ سر سید احمد خان ، آثار الصنادید - باب چہارم ص ۴۱ ، (لکھنؤ : ۱۹۰۰ء)۔
- ۸۴۔ رحیم بخش دہلوی ، حیات ولی ، سنہ ۱۹۰۱ء ، ص ۳۳۲ (دہلی : ۱۳۱۹ھ)۔
- ۸۵۔ رحیم بخش دہلوی ، حیات عزیزی ، سنہ ۱۸۹۹ء ص ۶۳ - ۶۴ (دہلی ، طبع اول بلاسنہ) نیز دیکھئے مجموعہ احوال و کمالات عزیزی سید احمد ولی اللہی ص ۴۰ (کراچی : ۱۹۸۳ء)۔
- ۸۶۔ چند اور فقرات و قطعات تواریخ کے لئے دیکھئے : گنج تواریخ ، عبد الغفور نساخ ص ۲۷ (لکھنؤ : ۱۲۹۰ھ)۔ ریاض النور مولوی نصیر الدین سلہٹی ص ۳۲ (کان پور : ۱۲۹۹ھ)۔
- ۸۷۔ تاریخ الامتہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۳۷
- ۸۸۔ شاہ محمد عاشق ، مکتوبات شاہ ولی اللہ ، مکتوب نمبر ۱۶
- ۸۹۔ ماہنامہ برہان دہلی ص ۳۳ (جنوری ۱۹۸۳ء)
- ۹۰۔ سید احمد ولی اللہی ، مجموعہ احوال و کمالات عزیزی ، ص ۴۱۔
- ۹۱۔ بیاض مولانا رشید الدین دہلوی - ورق ۲۹ الف - اس کا ایک اقتباس مولانا نسیم احمد فریدی کے مضمون ۔۔ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز ؒ میں شامل ہے - الفرقان لکھنؤ ص ۵۰ (صفر ۱۳۸۸ھ)۔
- ۹۲۔ یہ منشی فرحت اللہ بھٹی اور اہل بھلت کے نسب ناموں کے مطابق ہے - مگر سید احمد ولی اللہی نے زوجہ مولوی محمد عیسیٰ کو دختر اول ، اور زوجہ محمد افضل کو دختر دوم لکھا ہے - مجموعہ احوال و کمالات عزیزی ص ۴۱
- ۹۳۔ ماہنامہ برہان ص ۳۳ (جنوری : ۱۹۸۲ء) زیر عنوان خانوادہ ولی اللہی کی زیریں شاخیں اور ان کے نسبی سلسلے - مرتبہ نور الحسن ارشد کاندھلوی - یہ مضمون خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کی شاخ در شاخ تفصیلات پر مبنی ایک یادداشت ہے ، جو منشی فرحت اللہ بن سلیم اللہ بھٹی نے مولانا شاہ عبدالقیوم بڈھانوی کی ایماہ پر سنہ ۱۲۸۳ھ میں مرتب ہوئی ، مولانا عبدالقیوم نے اس کو دیکھا اور اس کی تحسین فرمائی - بھلت (ضلع مظفر نگر) میں اس کے متعدد خطی نسخے موجود ہیں - راقم سطور نے اس کو دو نسخوں کی مدد سے مرتب کیا جو ماہنامہ برہان دہلی کی جنوری - فروری ۱۹۸۲ء کے شماروں میں شائع ہوا - فرحت اللہ بھٹی کا اس تحریر میں بار بار ذکر آنے کا اس سے یہی یادداشت اور مضمون مراد ہوگا -
- ۹۴۔ بیاض مولانا ابوالحسن کاندھلوی - ورق ۱۳۳ - الف
- ۹۵۔ شاہ عبدالرحمن ، مکتوبات شاہ ولی اللہ ، مکتوب نمبر ۱۷۲۔
- ۹۶۔ مضمون مولانا نسیم احمد فریدی - الفرقان لکھنؤ ص ۲۵ - ۲۶ (ربیع الاول ۱۳۳۸ھ) اس خط کے مکمل متن کے لئے ملاحظہ فرمائیے بیاض مولانا رشید الدین دہلوی - ورق ۴۰ الف -
- ۹۷۔ مکتوب بنام شاہ ابو سعید رائے بریلوی - ماہنامہ الفرقان لکھنؤ (صفر : ۱۹۸۵ء) جناب حکیم محمود احمد برکاتی نے اس خط کا ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد اس کا سنہ کتابت ۱۱۷۹ھ لکھا ہے اور مکتوب المعارف کا حوالہ دیا ہے مگر یہ دونوں اطلاعیں صحیح نہیں اس خط میں سنہ تحریر درج نہیں اور ایسا کوئی قرینہ بھی نہیں جس کی بنا پر اس کا سنہ کتابت متعین کیا جا سکے ، نیز اس خط کا مکتوب المعارف سے کوئی تعلق نہیں - مکتوب المعارف شاہ ولی اللہ

اور شاہ ابو سعید رائے بریلوی کے مراسلات کا ایک مختصر سا مجموعہ جس کو مولانا ابو القاسم ہنسوی نے مرتب کیا اور وہ سنہ ۱۳۰۳ھ میں مطلع الانوار سہارنپور سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں شاہ عبدالعزیز کا کوئی خط شامل نہیں۔ شاہ صاحب کا محولہ بالا خط حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ذاتی ذخیرہ نوادرات کی زینت ہے۔

۹۸۔ تاریخ الاثمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۴ ص ۸۸۸۔

۹۹۔ فہرست اردو مخطوطات رضا لائبریری رام پور۔ مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی ص ۲ (رام پور: ۱۹۶۷ء) بحوالہ دیوان عنبر قلمی مخزنہ رضا لائبریری۔

۱۰۰۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۸۳ ص ۸۳ ص ۹۲

۱۰۱۔ مولوی فقیر محمد جہلمی حقائق الحنفیہ، مع حواشی و تکرار خورشید احمد خاں ص ۴۸۴

(لاہور: طبع الاول بلاسنہ) جہلمی نے فقرہ تاریخ چشمہ فیض صحیح نقل کیا ہے مگر سن غلط لکھا ہے۔ نیز دیکھئے: تاریخ اولیائے صوبہ دہلی رکن الدین نظامی ص ۲۰۱ (دہلی: ۱۳۵۳ھ)

۱۰۲۔ تراجم علمائے اہل حدیث ہند ص ۸۸ نیز ملاحظہ ہو: ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ابو یحییٰ امام خاں ص ۳۳ یادگار دہلی میں سہو کتابت کے سن ۱۲۲۳ھ کا سنہ ۱۲۲۳ھ ہو گیا ص ۱۰۳۔

۱۰۳۔ ماہنامہ برہان دہلی ص ۳۱ (جنوری: ۱۹۸۲ء)

۱۰۴۔ دہلی میں مطبع احمدی کے نام سے متعدد پریس قائم ہوئے جن میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور امو جان کے مطابع کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ بعض مطابع کے تعارف کے لئے دیکھئے راقم سطور کا مضمون باقیات آزدہ مجلہ غالب نامہ نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۳ء حاشیہ ص ۲۱۰ ص ۲۱۱ مگر ولی اللہی کا مطبع ان مطابع میں شامل نہیں، وہ نسبتاً چھوٹا اور متاخر مطبع تھا جو سید احمد ولی اللہی کی حیات میں ختم ہو گیا ہے تاہم اس مطبع نے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان کی کتابوں کی نشر و اشاعت میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ زیر نظر سطور میں مطبع احمدی سے اسی مطبع کی مطبوعات کی جانب اشارہ ہوا ہے۔

۱۰۵۔ ان معلومات کے لئے مولوی حکیم اختر الحق بن عبدالحمی خلف منشی فرحت اللہ پھلتی کا شکریہ واجب ہے، موصوف اسی خانوادہ کے ایک فرد ہیں ان کی دادی صاحبہ منشی فرحت اللہ کی اہلیہ مولوی محمد حسن کی دختر تھیں اس لئے ان معلومات کی بے حد اہمیت ہے اور اس میں شک و شبہ کا امکان کم سے کم ہے۔

۱۰۶۔ یادگار دہلی ص ۱۰۳

۱۰۷۔ تاریخ الاثمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۴۔ یادگار دہلی ص ۱۰۳۔ نیز میخانہ درد ص ۱۶۳۔ ۱۶۴۔

۱۰۸۔ شاہ ابو العدل یا عبدالعدل قرشی دہلوی، حضرت خواجہ محمد زبیر مجددی کے خلیفہ اعظم اور جانشین تھے، ولادت سنہ ۱۱۲۰ھ وفات ۱۲۰۳ھ چراغ سے سن وفات معلوم ہوتا ہے۔ خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے۔ راقم سطور کی حقیر معلومات میں مولانا جعفری واحد تذکرہ نگار ہیں جو ان کے سنین ولادت و وفات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ (تاریخ الاثمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۴) مزید معلومات کے لئے دیکھئے باب پنجم نور القلوب احوال و ملفوظات میاں شاہ آبادانی سیال کوٹی۔ تالیف امجد علی رضوی مولفہ سنہ ۱۲۲۶ھ نور القلوب کا ایک نہایت عمدہ خوش قلم نسخہ مکتوبہ سنہ ۱۲۸۱ھ پروفیسر نثار احمد فاروقی صدر شعبہ عربی دلی یونیورسٹی دہلی کے ذاتی ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے اس نسخہ کے استفادہ کے لئے

فاروقی صاحب کا ممنون ہوں۔

۱۰۹۔ مولانا جعفری نے شاہ عبدالقادر کو شاہ ابو العدل کا خلیفہ اعظم (جانشین) لکھا ہے۔ (تاریخ الانہ ص ۵۵۲) مگر اکبر شاہ ثانی کا بڑا بھائی شہزادہ منعم بخت، اپنے پیر و مرشد مولانا شاہ کمال الدین کاندھلوی (برادر خورد مفتی الہی بخش) کو،، سجادہ نشین حضرت شاہ محمد عبد العدل،، کہتا ہے۔ ملاحظہ ہو انوار القلوب (جو مغلیہ عہد خصوصاً شاہ عالم کے دور کی مفصل تاریخ ہے) مولفہ سنہ ۱۲۵۵ھ مکتوبہ بعہد بہادر شاہ ظفر، یہ ہمارے خاندانی کتب خانہ کا مخطوطہ ہے اور اس وقت دارالعلوم، دیوبند میں محفوظ ہے۔

۱۱۰۔ یادداشت ملحق و مجلد مع تحریرات و فتاویٰ خانوادہ شاہ ولی اللہ ورق ۱۱۱۔

۱۱۱۔ تاریخ الانہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۹۔ اگرچہ مولانا جعفری نے ایک موقع پر شاہ صاحب کی تاریخ وفات ۱۳ رجب بھی لکھی ہے (ص ۴۲)۔ مگر قدیم یادداشت اور خود مولانا جعفری کی تصریحات کی رو سے اول الذکر کو ترجیح حاصل ہے۔

۱۱۲۔ غلام رسول مہر، سید احمد شہید ص ۱۱۶ ج ۱

۱۱۳۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء ص ۲۸۹، ج ۲ (مطبع ہند لکھنؤ: ۱۲۹۰ھ) وحدیقہ الاولیاء ص ۱۴ (نولکشتور کانپور: ۱۲۹۳ھ) حدیقہ الاولیاء تحقیق و تعلیق جناب محمد اقبال مجددی ص ۲۱۵ (لاہور: ۱۳۹۶ھ) نیز دیکھئے: تراجم علمائے اہل حدیث ص ۸۴، شاہ عبدالقادر کے مزار پر ایک عرصہ تک یہی سن وفات ۱۲۳۲ھ کندہ تھا۔

۱۱۴۔ ابو یحییٰ امام، ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص ۳۳ (چیچہ وطنی، ساہیوال: ۱۳۹۱ھ)

۱۱۵۔ مولوی مصطفیٰ خانوادہ ولی اللہی کے پہلے اور غالباً واحد شخص ہیں جن کا شعراء کے تذکروں میں ذکر آیا ہے۔ مولوی مصطفیٰ اگرچہ علمی کمالات میں خاندانی روایات کے جامع نہیں تھے مگر تذکرہ نگاروں نے ان کے اخلاق اور خاندانی روایات کی حتی الامکان پاسداری برتنے کی تعریف کی ہے، شعر و سخن میں ثناء اللہ فراق سے تلمذ تھا، مزید معلومات کے لئے دیکھئے:

نواب مصطفیٰ خان شیفٹہ، گلشن بر خار، ترجمہ احسان الحق فاروقی، ص ۱۲۴، (کراچی: ۱۹۶۲ء)۔

مولوی کریم الدین پانی پتی، طبقات شعرائے ہند، ص ۳۶۰ (دہلی: ۱۸۳۴ء)۔
گلشن ہمیشہ بہار، مولانا نصر اللہ خان خویشکی ص ۲۲ (مطبع فتح الاخبار کول (علی گڑھ: ۱۲۴۰ھ)

گلشن ہمیشہ بہار ڈاکٹر محمد اسلم فرخی ص ۹۳ (کراچی: ۱۹۶۴ء)
گلستان بر خزان قادر بخش صابر۔ مرتبہ جناب خلیل الرحمن داؤدی ص ۳۳۳، ج ۱۔ (لاہور: ۱۹۶۶ء)۔

لالہ سری رام، خمخانہ جاوید، ص ۳۸، ج ۲، (دہلی: ۱۹۱۱ء)
بعض تذکرہ نگاروں نے بھی تعبیر کا ذکر کیا ہے۔

۱۱۶۔ تاریخ الانہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۲ نیز فرحت اللہ بھلتی برہان دہلی ص ۳۰ (جنوری ۱۹۸۲ء)

۱۱۶(ب)۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ میں شاہ عبدالعزیز کا ایک ملفوظ نقل کیا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے چاروں صاحبزادوں کے

- دستار فضیلت باندھ دی تھی ص ۳۱۰ (حیدر آباد، دکن : ۱۹۳۶ء) مگر یہ خیال صحیح نہیں۔
ملفوظ کی عبارت اس کی تردید کر رہی ہے تذکرہ شاہ ولی اللہ میں اس ملفوظ کے ابتدائی کلمات : ” ہم چنانکہ بعد انتقال نم ” ترک ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہوئی۔
- ۱۱۷۔ بیاض حضرت مفتی الہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۳۵ھ - ۱۸۲۹ء) ورق ۵۳ ب، (ذخیرہ ذاتی)
۱۱۸۔ بیاض مولانا شیخ محمد تھانوی قلمی نسخہ مولف مملوکہ جناب ثناء الحق صدیقی کراچی -
راقم سطور اس بیاض سے استفادہ اور اس کی فوٹو اسٹیٹ کابی کے لئے محترم صدیقی صاحب کا بے حد ممنون ہے۔
- ۱۱۹۔ یادداشت ملحق و مجلد مع مجموعہ تحریرات و فتاویٰ ص ۲۴۳۔
- ۱۲۰۔ تاریخ الانمہ، ص ۴۴
- ۱۲۱۔ ابوالعلائی دانا پوری، سیر دہلی، ص ۲
- ۱۲۲۔ دہلی اور اس کے اطراف ص ۳۵ نزہۃ الخواطر میں شاہ عبدالغنی کا تذکرہ شامل نہیں۔
- ۱۲۳۔ یادگار دہلی ص ۱۰۳، مولوی بشیر الدین احمد نے ولی اللہی کے یہی الفاظ واقعات دار الحکومت میں نقل کر دیئے ہیں ص ۵۹۰ - ج ۲۔
- ۱۲۳(ب)۔ مثلاً : مزارات اولیائے دہلی مولوی محمد عالم شاہ فریدی ص ۱۳ (دہلی ۱۳۳۶ھ)۔ تاریخ اولیائے صوبہ دہلی ص ۲۰۱ (دہلی : ۱۳۵۳ھ) التمشید بتعریف ائمۃ التعہید، مولانا عبید اللہ سندھی ص ۱۰۰ (جام شورو - سندھ : ۱۳۹۶ھ) تراجم علمائے اہل حدیث ہند ص ۸۶ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۳۳۵ ج ۵۔
- ۱۲۳۔ سید احمد ولی اللہی، یادگار دہلی، ص ۱۰۳
- ۱۲۵۔ تاریخ الانمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۴
- ۱۲۶۔ مولوی رحیم بخش نے لکھا ہے کہ ” مولانا شہید کی تاریخ ولادت میں علماء کا باہم اختلاف ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ ۱۲ - ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۳ھ کو پیدا ہوئے ” ص ۳۵۳ حیات ولی۔ مگر راقم سطور کو ایسی کوئی شہادت میسر نہیں ہوئی جس میں کسی مورخ و تذکرہ نگار نے سنہ ۱۱۹۳ھ کے قول سے کسی معقول بنا پر اختلاف کیا ہو۔ میر شجاعت علی کے حوالے سے شوال سنہ ۱۱۹۶ھ کی ایک روایت مہر صاحب نے نقل کی ہے، مگر اس کو مہر صاحب نے خود لکھ دیا ہے، ” شایان توجہ نہیں ” جماعت مجاہدین ص ۱۷ (غلام علی اینڈ سنز لاہور : بلاسنہ)
- ۱۲۷۔ تاریخ الانمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۴ لیکن حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے مولانا کرامت علی جونیوری کے حوالہ سے واقعہ بیعت کی جو تفصیل لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شہید، سید صاحب کی ٹونک سے واپسی کے بعد ان سے بیعت ہوئے تھے۔ سیرت سید احمد شہید ص ۱۳۵، ج ۱۔
- ۱۲۸۔ احوال و کمالات عزیزی ص ۳۱
- ۱۲۹۔ حیات ولی ص ۳۵۲
- ۱۳۰۔ تاریخ اہل حدیث ص ۳۱۹ (دہلی ۱۹۸۳ء)۔
- ۱۳۱۔ غلام رسول مہر، جماعت مجاہدین ص ۱۷
- ۱۳۲۔ نسیم احمد فریدی، تذکرہ شاہ محمد اسماعیل شہید، ص ۱۳ (لکھنؤ : ۱۹۹۷ء)۔